دوسرے سرکاری ملازم ملک کی خدمت پر انعامات اور تمغے وصول کرتے ہیں۔ مگر (IB) کے افسران اور ایجنٹ کی خدمات چھپی رہتی ہیں اور ان کو کوئی انعام نہیں ملتا۔ کون ہے جو ان کے جذبات کا احترام کرے۔

سفیروں اور دوسرے سفارت کاروں کے دلوں میں (فارن انٹیلی جینس) خارجہ سراغ رساں کارکنوں کے متعلق جو نفرت اور تعصب کی خلیج حائل ہے اس کو بعض اوقات دبا دیا گیا۔ مگر را (RAW) کے خلاف تعصبات اُبھرنے لگے اور یہ اس وقت ہوا جب جنتا پارٹی کی حکومت برسرِ اقتدار آئی اور پرانا متعصبانہ جذبہ پھر سے پیدا ہوگیا۔ وزارتِ خارجہ نے اور اس کے سفارت کار عملے نے را کو فضول سمجھ کر ختم کرنے کا مطالبہ پیش کیا اور اٹل باجپائی نے اس کو ڈبونے کی کوشش کی جس کا بعد میں پتہ چل گیا۔

مسٹر کاؤ اور مسٹر نائر دونوں کے اس محکمے سے باہر چلے جانے کے بعد بہت سی تبدیلیاں تیزی سے رونما ہوئیں۔ اندرونی بغاوت نے تو کم از کم سر اٹھا ہی لیا۔ وزارتِ خارجہ (MEA) کے متعلق تو معلوم ہوتا تھا کہ اس نے خارجہ سراغ رسانی (انٹیلی جینس) کا روپ دھار لیا ہے۔ را (RAW) کے نئے سربراہ نے چھوٹے عہدے پر بے دست و پا آفیسر کی حیثیت سے کام شروع کیا اور وہ اپنی رپورٹیں کیبنٹ سیکرٹری جسے خود کو انٹیلی جینس کے متعلق کوئی خاص واقفیت نہ تھی، کے سامنے پیش ہونے لگیں۔ پھر وقت نے پانسہ پلٹا۔ کانگرس (   ) ۲ : ۳ کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں کامیابی حاصل کرکے برسرِ اقتدار آگئی اور اندرا گاندھی نے ۹ جنوری ۱۹۸۰ء کو اقتدار دوبارہ سنبھال لیا۔

اس تبدیلی کے ساتھ دو معروف واقعات پیش آئے :

۱۔ تحریکِ آزادی فلسطین کو مکمل سفارتی حیثیت حاصل ہوگئی اور اس کے چیئرمین

جناب یاسر عرفات نے نئی دہلی کا دورہ کیا۔

۲۔ اس کے دو یوم بعد ۸ جولائی ۱۹۸۰ء کو ہندوستان نے کمپوچیا کو تسلیم کرلیا۔

ان دونوں واقعات کو ساری دنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں منفی اثرات مرتب ہوتے دکھائی دیے۔ لیکن ہندوستان اپنی وزارتِ خارجہ اور اس کے خارجی کارکنوں کے کام سے مطمئن تھا۔



بھارت کی دو خفیہ تنظیموں "را" اور "آئی بی" کے متعلق پاکستان میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے مگر اس سب سے بڑی تنظیم "سی بی آئی" کا نام بہت کم لوگوں نے سنا ہے۔ اب یہاں اس سنسنی خیز مضمون میں اس خفیہ تنظیم کے بہت سے پُر اسرار پہلوؤں سے نقاب سرکانے کی کوشش کی گئی ہے ــــــــــ

(سی بی آئی ـ CBI) بھارتی جاسوسی ادارہ :

بھارت میں انگریزی کے یہ تین حروف دہشت کی علامت ہیں۔ سیاست دان، وکیل، طلبا، بزنس مین غرض کہ ہر شعبۂ زندگی سے متعلق افراد پر "سی بی آئی" کا نام سنتے ہی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ سی بی آئی (CBI) سنٹرل بیورو آف انٹیلی جینس کا مخفف ہے۔ دہلی میں آر کے پورام کے علاقے میں واقع اس کا ہیڈ کوارٹر بظاہر ایک عام سی بلڈنگ ہے۔ ماسوائے ان دو مسلح سپاہیوں کے جو ہمہ وقت اس کے دروازے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ سپاہی ہر آنے جانے والے کو خاموشی سے گھورتے ہیں۔ بھارت کی دوسری دو معروف انٹیلی جینس تنظیموں را (RAW) اور آئی بی (IB) کی نسبت سی بی آئی زیادہ جدید آلات سے لیس ہے۔ سی بی آئی کے ہزاروں کارندے نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی سرگرمِ عمل ہیں۔

سی بی آئی (C B I) کا قیام اپریل ۱۹۶۲ء میں عمل میں آیا تھا۔ اپنے قیام کے فوراً بعد اس نے کئی کیسوں پر کام شروع کر دیا۔ جس کیس نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی وہ جینتی شپنگ کمپنی کے چیئرمین ڈاکٹر دھرما تیجا کا تھا۔ ڈاکٹر کو گرفتار کرنے کے لیے سی بی آئی کے ایجنٹوں کو آدھے کرۂ ارض پر کارروائیاں کرنا پڑی تھیں۔ ڈاکٹر تیجا بھارت کا معروف سرمایہ دار تھا۔ اس نے کروڑوں روپے کا فراڈ کیا اور ملک سے فرار ہو گیا۔ اس کے فرار ہونے کے بعد دسمبر ۱۹۶۶ء میں یہ کیس سی بی آئی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس نے انٹرپول سے رابطہ قائم کیا مگر ڈاکٹر تیجا کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ پہلے مرحلے میں سی بی آئی (C B I) کے افسران نے ڈاکٹر تیجا کے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے شروع کیے۔ یہ مرحلہ خلافِ توقع آسان ثابت ہوا۔ سی بی آئی کے ایجنٹوں نے ٹوکیو، نیو یارک، لندن اور اوسلو کی ایسی بحری کمپنیوں سے رابطہ قائم کیا جن سے ڈاکٹر تیجا کا تعلق رہا تھا۔ ان کمپنیوں نے اُن بھاری رقومات کے ثبوت فراہم کیے جو انہوں نے تیجا اور اس کی بیوی کے نام پر سوئیزرلینڈ کے بنکوں میں جمع کروائی تھیں۔

اسی دوران سی بی آئی کو خبر ملی کہ تیجا اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ نیو یارک کے ایک اپارٹمنٹ میں مقیم ہے۔ انہوں نے نیو یارک کے پولیس حکام سے رابطہ قائم کیا۔ اور نیو یارک پولیس نے اپارٹمنٹ پر چھاپہ مار کر تیجا کو گرفتار کر لیا۔ اسے بھارت بھجوانے کے مسئلے پر فیصلہ کرنے کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا۔ سی بی آئی نے اپنا مؤقف پیش کرنے کے لیے ، ہزار روپے کے عوض ایک امریکی وکیل سٹین برگ کی خدمات حاصل کیں۔ اسی دوران با ضمانت پر رہا ہو گیا۔ بیس ہزار ڈالر کی ضمانت اس نے نقد ادا کر دی۔ تاہم کمیشن سماعت مکمل ہونے سے پہلے ہی تیجا خاندان امریکہ سے فرار ہو گیا۔ امریکہ سے تیجا فرار نے بھارتی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ دنیا بھر کے بھارتی سفارت خانوں کو الرٹ دیا گیا۔ دوسری طرف انٹرپول بھی بڑی سرگرمی سے مصروف ہو گئی۔ مگر کئی مہینوں

تک ان کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے تیجا خاندان کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا ہے۔ تاہم ان کی تلاش کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ آخر اس صبر آزما تلاش کا پھل ظاہر ہو گیا۔ ایک دن امریکہ میں بھارتی سفارت خانے کو اطلاع ملی کہ تیجا کوسٹاریکا میں ہے۔ اس اثنا میں ڈاکٹر تیجا نے کوسٹاریکا کے سابق صدر یوز فیگرز سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ انتخابات لڑنے کے لیے اس نے یوز فیگرز کو زبردست مالی امداد دی۔ یوں اس نے کوسٹاریکا میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ اسی دوران ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جسے کوسٹاریکا کی شہریت دے دی گئی۔ اس طرح تیجا خاندان کا تعلق اس ملک سے مضبوط ہوتا گیا۔ ادھر سی بی آئی (CBI) نے تیجا کو بھارت لے جا کر مقدمہ چلانے کے مقصد کے لیے کوسٹاریکا کی عدالتوں میں مقدمہ دائر کیا مگر اسے خارج کر دیا گیا۔ اپنی اس کوشش میں ناکامی کے باوجود سی بی آئی تیجا کی تاک میں رہی۔

کوسٹاریکا میں تیجا کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ آخر اسے ایک سفارتی عہدہ دے دیا گیا مگر یہ عہدہ اس کے زوال کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔ اپنی اس نئی حیثیت میں وہ لندن گیا۔ سی بی آئی (CBI) کے ایجنٹ انٹرپول کو پہلے ہی ہوشیار کر چکے تھے اور جونہی تیجا نے ائرپورٹ پر قدم رکھا، انٹرپول کے اہل کاروں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایک طویل عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ایک سال کے بعد ایک برطانوی عدالت نے تیجا کو بھارت لے جانے کی اجازت دے دی۔ بھارت میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور مختلف جرائم میں اسے تین سال قید اور ۱۴،۱۳،۰۰۰ روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔

تیجا کیس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سی بی آئی (CBI) کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں اور اس کے ایجنٹوں کی پہنچ دنیا کے ہر خطے میں۔ مجرموں کی تلاش میں یہ ہر قسم کی سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ ۱۹۶۳ء میں اپنے قیام کے بعد اس نے گو بہت سے اہم کیس نپٹائے مگر اس کے باوجود یہ بھرپور کردار ادا نہ کر سکی۔

سی بی آئی (CBI) کے افسروں کے مطابق ابتداء میں اس کے جو ڈائرکٹر مقرر کیے گئے انہوں نے بعض ذاتی وجوہات کی بنا پر تنظیم کو مضبوط بنانے میں مؤثر کردار ادا نہیں کیا۔ اس سلسلے میں سی بی آئی (CBI) کے سابق ڈائریکٹر ڈی سین کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اقربا پروری کی اور بیورو کو بہتر بنانے کے لیے مؤثر کردار ادا نہیں کیا۔

بھارت میں جب اندرا حکومت نے ایمرجنسی کا نفاذ کیا تو ۱۹ ماہ کے عرصے میں سی بی آئی کا کردار بری طرح متاثر ہوا۔ آئی بی اور را (RAW) کے ساتھ اسے بھی مسز اندرا گاندھی نے اپنے سیاسی حریفوں کو دبانے کے لیے استعمال کیا۔ اندرا حکومت کی کارکردگی جائزہ لینے کے لیے جب شاہ کمیشن قائم کیا گیا تو اس کے ڈائریکٹر ڈی سین نے کمیشن کے سامنے اعتراف کیا کہ ایجنسی نے کئی مرتبہ مسز اندرا گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری آر۔ کے دیوان کے زبانی احکامات پر عمل کیا۔ سین نے بتایا کہ جب سنجے گاندھی کے متعلق پارلیمنٹ میں سوالات کیے گئے تو اس کے بعد دیوان نے اسے ان چار پولیس افسروں کے متعلق فوری طور پر تحقیقات کرنے کا حکم دیا تھا جو سنجے گاندھی کے متعلق معلومات اکٹھی کر رہے تھے۔ شاہ کمیشن کے سامنے سی بی آئی (CBI) کے سابق ڈائریکٹر کے بیانات بہت چونکا دینے والے تھے۔ اس نے کہا کہ سات سال تک ایجنسی کو چلانے کے باوجود وہ بھی اس کے طریق کار سے واقف نہیں ہو سکا تھا۔ ڈی سین کا یہ بیان بظاہر حیرت انگیز محسوس ہوتا ہے لیکن اس کا گہرائی سے جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ سی بی آئی (CBI) میں ڈائریکٹر کے علاوہ بھی ایسے خفیہ ہاتھ ہیں جو اس کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں۔

جنتا حکومت نے اپنے دور میں اس ایجنسی کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ بھارتی حکام کی خواہش تھی کہ اسے امریکی ایف بی آئی (FBI) کی طرز پر منظم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس کے بجٹ میں زبردست اضافہ کر دیا گیا۔ تجربہ کار افراد کی خدمات

حاصل کی گئیں۔ اس کے علاوہ نئے افراد بھرتی کیے گئے اور ان کی تربیت کے لیے غیر ملکی ایجنٹوں سے مدد لی گئی۔ یوں آہستہ آہستہ سی بی آئی (CBI) کی تنظیم جدید خطوط پر استوار ہوتی گئی۔ تاہم جنتا حکومت نے بھی اسے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ اس دور میں ایک بھارتی جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے سی بی آئی (CBI) کے ایک افسر نے کہا تھا۔

چرن سنگھ ہمیں بہت مصروف رکھتا ہے۔ ایک دوسرے افسر نے کہا، سیاستدان ہمارے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ جنتا حکومت نے اندرا حکومت کے "اعمال" کا جائزہ لینے کے لیے سی بی آئی (CBI) کو ہی مقرر کیا تھا۔ جنتا حکومت کے بعد جب دوبارہ اندرا حکومت برسرِ اقتدار آئی تو سی بی آئی کو مزید بہتر بنانے کے لیے انقلابی اقدامات کا آغاز ہوا۔ سی بی آئی (CBI) کے پاس اس وقت ایشیا کی بہترین لیبارٹری ہے۔ اس میں تقریباً وہ تمام جدید آلات موجود ہیں جو ترقی یافتہ ممالک کی ایجنسیوں کے پاس ہو سکتے ہیں۔ سی بی آئی کی لیبارٹری کی کارکردگی کا ایک اندازہ ۱۹۷۱ء میں ہی مہاراجہ آف کشن گڑھ (راجستھان) کے قتل کی تفتیش سے ہوا تھا۔

۱۶ فروری ۱۹۷۱ء کو مہاراجہ اپنی فیٹ کار میں مُردہ پایا گیا۔ قریب سے کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس واقعے کا کوئی عینی شاہد نہیں تھا۔ پولیس افسروں نے جائے واردات کا جائزہ لیا مگر کوئی اندازہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ مہاراجہ ایک معروف شخصیت تھی۔ وہ راجستھان اسمبلی کا رکن بھی تھا اور چونکہ قتل اس شام کو ہوا تھا جب اسمبلی کے الیکشن ہو رہے تھے۔ اس لیے یہ قیاس کیا گیا کہ مہاراجہ کو سیاسی وجوہات کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔

اس لائن پر سوچتے ہوئے مقامی پولیس نے بے شمار مشتبہ افراد کو گرفتار کر کے روایتی تفتیش کا آغاز کر دیا۔ مگر اس تفتیش کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مرکزی حکومت قتل کے

اس واقعے سے بہت پریشان تھی۔ مقامی پولیس کی رپورٹیں حوصلہ افزا نہیں تھیں اس لیے کیس کو سی بی آئی (CBI) کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹ فروری کو کیس سی بی آئی (CBI) کے سپرد کر دیا گیا۔ سی بی آئی کے افسر موقعۂ واردات پر پہنچے۔ مقامی پولیس نے احتیاط کی تھی اس لیے کار تقریباً اسی حالت میں کھڑی تھی جس میں ملی تھی۔ سی بی آئی (CBI) ٹیم کے اراکین کار کا جائزہ لینے لگے۔ ایک ایک انچ جگہ کا بغور معائنہ کیا گیا۔ قاتل نے جرم بڑی ہوشیاری سے کیا تھا۔ اپنی طرف سے اس نے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا مگر سی بی آئی (CBI) کے افسر اس نظریے پر کام کر رہے تھے کہ قاتل ہمیشہ اپنا سراغ چھوڑ کر جاتا ہے۔ آخر ایک افسر کی نظر میں خون کے اس دھبے پر جم گئیں جو کار کے اگلے دائیں دروازے پر لگا ہوا تھا۔ نشان کی پوزیشن سے اندازہ لگایا گیا کہ یہ کسی اندر بیٹھے ہوئے آدمی کا تھا۔ خون کا یہ دھبہ انگلی کا نشان تھا مگر یہ بہت ہلکا تھا۔ پہلے یہ شبہ پیدا ہوا کہ یہ مہاراجہ کا ہے مگر جب جائزہ لیا گیا تو یہ مہاراجہ کی انگلیوں کے نشانات سے بہت مختلف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ نشان قاتل کا ہو سکتا ہے۔ یہ نشان بہت ہلکا تھا۔ اسے واضح کرنے کے لیے سی بی آئی (CBI) کے افسروں نے احتیاط سے کام شروع کیا۔ خاصی مشقت کے بعد وہ اسے اس صورت میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس سے اس کا دوسرے نشانات سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ مشتبہ افراد کی اس بڑی تعداد کے فنگر پرنٹس کا حصول تھا جسے پولیس نے گرفتار کر رکھا تھا۔ یہ مرحلہ آسان ثابت ہوا۔ فنگر پرنٹس لینے کے بعد جب ان کا نشان سے موازنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ بھیجا رام کے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی کا نشان تھا۔

اس ثبوت کے بعد بھیجا رام نے مہاراجہ کے قتل کا اعتراف کر لیا۔ سی بی آئی (CBI) کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔

اس کے افسر آج بھی اس پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے کیس منٹوں میں حل کر دیا تھا۔

سی بی آئی (CBI) کے افسر سیاستدانوں سے پریشان ہیں۔ یہ ان کے راستے میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ مثلاً جنتا حکومت کے دور میں کرناٹک کے وزیر اعلیٰ دیوراج آرس کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے نہ صرف اختیارات کا غلط استعمال کیا ہے بلکہ سرکاری فنڈوں میں خرد برد بھی کی ہے۔ مرکزی حکومت نے یہ کیس سی بی آئی (CBI) کے سپرد کر دیا۔ مگر اس سے پہلے کہ سی بی آئی (CBI) تحقیقات کا آغاز کرتی اسے بتایا گیا کہ ایک قانونی پیچیدگی یہ تھی کہ صوبوں کے معاملات میں سی بی آئی (CBI) قانوناً صرف اس وقت مداخلت کر سکتی ہے جب متعلقہ صوبہ اسے اجازت دے۔ وزیر اعلیٰ دیوراج آرس نے ایسی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست دان کس طرح رکاوٹ بنتے ہیں۔

اندرا گاندھی کے ایمرجنسی دور میں سی بی آئی (CBI) کا سیاست میں ملوث ہونے کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ جنتا حکومت کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ موجودہ اندرا حکومت نے مبینہ طور پر اس سلسلے کو کچھ مزید آگے بڑھایا۔ سیاستدانوں، طلبا، لیڈروں، کاروباری حضرات اور دوسرے اہم شعبہ ہائے زندگی سے منسلک لوگوں کی نگرانی کا کام سی بی آئی کے سپرد ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم مختصراً سی بی آئی (CBI) کے مختلف شعبوں کا جائزہ لیتے ہیں:

اس وقت سی بی آئی (CBI) کے سات ڈویژن ہیں۔ ان کے ذمے تحقیق و تفتیش کے مختلف کام ہیں۔ پہلا ڈویژن سپیشل پولیس اسٹیبلشمنٹ ہے۔ یہ بنیادی ڈویژن ہے۔ اس کے دو ونگ ہیں۔ پہلا اکنامک افینسز ونگ (ECONOMIC OFF-ENCES WING) ہے۔ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ یہ ایسی تمام غیر قانونی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے جس سے ملک کی معیشت کے متاثر ہونے کا خطرہ

ہوتا ہے۔ یہ وزارتِ مالیات کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ انکم ٹیکس میں گھپلے کرنے والوں کی نشاندہی کر کے انہیں عدالت کے کٹہرے تک پہنچانے کا کام اسی ڈویژن کے سپرد ہے۔ کسٹم میں ہونے والی بے قاعدگیوں کی چھان بین بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ درآمد و برآمد ہونے والی اشیاء کے متعلق اگر کوئی گڑبڑ ہو تو یہ اس پر بھی گرفت کرتا ہے۔ یہ افیون، حشیش اور دوسری نشہ آور اشیاء کا کاروبار کرنے والوں کے خلاف بھی کارروائیاں کرتا ہے۔ اس ونگ کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔ اس کے افسروں کو خاصے اختیارات حاصل ہیں۔

دوسرا جنرل افینسز ونگ (GENERAL OFFENCES WING) ہے۔ یہ عام لوگوں کے جرائم سے نپٹتا ہے۔ رشوت اور فراڈ کے علاوہ یہ ان لوگوں کے خلاف بھی کارروائیاں کرتا ہے جن پر ملکی راز افشا کرنے کا الزام ہوتا ہے۔ دوسری ایجنسیوں کے ساتھ یہ بھی غیر ملکیوں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔ ڈاک، تار، ریلوے، سمندر یا جہاز میں ہونے والے جرائم بھی اس کے دائرۂ کار میں آتے ہیں۔ اس ڈویژن کے پاس اسپیشل فراڈ سکواڈ ہیں جو فراڈ یا سرکاری فنڈوں میں خرد برد کرنے والوں کو سزا دلوانے کے لیے فوری اقدامات کرتے ہیں۔ اس ونگ سے متعلقہ افراد نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی کام کرتے ہیں۔ لمیٹڈ کمپنیوں اور دوسرے اداروں میں ہونے والے فراڈ کے کیس بھی اکثر اسی ونگ کے سپرد کیے جاتے ہیں۔

دوسرا لیگل ڈویژن ہے۔ اس کا سربراہ وزارتِ قانون کا ایک افسر ہوتا ہے۔ بیورو جن کیسوں پر کام کر رہا ہو ان کے متعلق یہ ڈویژن قانونی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بیورو کے دیگر عام معاملات کے متعلق بھی قانونی صورت کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ اور متعلقہ شعبوں کو ہدایت دیتا رہتا ہے۔

تیسرا پالیسی ڈویژن ہے۔ اس کا تعلق تنظیم کی پالیسی کے معاملات سے ہوتا ہے۔

کو نکال دیا۔ دخل کر کے ایک کونے میں لگا دیا۔ جہاں کبھی سورج غروب
نہیں ہوتا تھا۔ اور اب اُس کونے میں جہاں سورج کی روشنی کم اور
تاریکی زیادہ رہتی ہے۔ حکومت برطانیہ سمٹ کر رہ گئی ہے۔ شائد
یہ اِس عمل کا نتیجہ ہے کہ "تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے"۔ لیکن اس
سارے عمل میں یہودی تو اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر
ہندو کسی حد تک ناکام رہے۔ کیونکہ انگریزوں میں لیڈر شپ اور سیاست
کا فقدان تھا۔ مگر بدحال مسلمانوں میں سیاست کا فقدان نہیں تھا۔
انہوں نے قائدِاعظم کی رہنمائی میں اپنے لئے ایک وسیع و عریض علاقہ
پاکستان آزاد مملکت حاصل کر کے نہ صرف انگریزوں سے آزادی
حاصل کر لی بلکہ ہندو کی زنجیروں کو بھی توڑ پھینکا۔ لیکن ہندو کی
عیاری خاموش نہ رہی۔ اُس نے یہودیوں کی طرز پر مسلمانوں کیخلاف
سرد جنگ جاری رکھی۔ جو آج تک جاری ہے۔ جس طرح یہودی
لابی نے "کے جی بی" K.G.B کی خفیہ تنظیم قائم کر کے پوری دُنیا کو تخریب
کاری کی لپیٹ میں لے لیا۔ اُسی طرز پر ہندوستان کی ہندو حکومت نے
اپنی خفیہ تنظیم "را" RAW قائم کی اور ان دونوں تنظیموں یعنی "را"
RAW اور "کے جی بی" K.G.B نے جنگی معاہدوں کے ساتھ ساتھ
خفیہ معاہدے بھی کیئے۔ یہ دونوں تنظیمیں آپس میں مل کر مسلمان
حکومتوں کے خلاف خفیہ مہمات تیار کر کے ان کو سر کرنے میں دن رات
تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر کاش کہ مسلمان اب بھی جاگ اُٹھیں
اس خوابیدہ غفلت قوم کو جگانے والے اور اس بے فکر
قوم کی راہنمائی کرنے والے تو اس قوم نے بہت پیدا کیئے۔ مگر کاش
کہ قومِ مسلم اپنے ان محسنوں کی بات مان لے جنہوں نے ان کو جگانے
کی کوشش کی۔ اُن کی آواز سن لیں۔ اب آیئے ذرا بھارت اور روس
(یعنی ہنود اور یہود) کے خفیہ معاہدات کا تاریخی پس منظر میں

یہ مختلف اوقات میں بیورو کے طریقِ کار کے متعلق سفارشیں پیش کرتا ہے۔ یہ ڈویژن مرکزی حکومت یا وزارتوں کے اشتراک سے رشوت خوری اور دیگر جرائم کے خلاف مہیں بھی چلاتا ہے۔

چوتھا ٹیکنیکل ڈویژن ہے جو فنی راہنمائی فراہم کر کے تفتیش کی مدد کرتا ہے۔ اس ڈویژن کے لیے انکم ٹیکس، پبلک ورکس، ریلویز اور پوسٹ اینڈ ٹیلیگرافس کے شعبوں کے قابل افسروں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل چارٹرڈ اکاؤنٹنٹوں کو بھی یہ ڈویژن خوش آمدید کہتا ہے۔ اس کے علاوہ عمارتوں کی تعمیر کے معاملات کے لیے اس میں ایک خصوصی انجینئرنگ سیل بھی ہے۔

پانچواں ڈویژن کرائم ریکارڈز اینڈ انٹرپول کا ہے۔ یہ پورے ملک میں ہونے والے جرائم کے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے اور پھر جدید ترین طریقوں کی مدد سے جرائم اور مجرموں کے خصوصی انڈکس تیار کرتا ہے۔ اس ڈویژن میں کرنسی سیکشن بھی ہوتا ہے جو ملک میں گردشِ زر پر نظر رکھتا ہے۔ اس کا انٹرپول ونگ نیشنل سنٹر بیورو آف انٹرپول فار انڈیا کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ بیرونی ممالک کی پولیس کے ساتھ گہرے روابط قائم کرنا اور سمگلنگ اور دوسرے کالے دھندوں کے متعلق معلومات کا تبادلہ کرنا بھی اس کے کاموں میں شامل ہے۔

چھٹا کوآرڈینیشن ڈویژن ہے۔ یہ ملکی سطح پر ہونے والے جرائم کی جائزہ رپورٹیں تیار کرتا ہے۔ مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کے بعد اگر یہ مناسب سمجھے تو سی بی آئی (C B I) کے دوسرے شعبوں کو مختلف کیسوں پر لگاتا ہے۔

ساتواں اور آخری ایڈمنسٹریشن ڈویژن ہے۔ یہ انتظامی امور کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ بیورو کے لیے مناسب افراد کی بھرتی اور تربیت بھی اس کے کاموں میں شامل ہے۔

ہم نے مختصر سی بی آئی (CBI) کے سات ڈویژنوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا دائرۂ کار کتنا وسیع ہے اور یہ کسی بھی وقت کسی کی گردن ناپ سکتا ہے۔ اس کے متعلق لوگوں میں خوف پایا جاتا ہے۔ ماضی میں یہ جس طرح غیر قانونی کام میں ملوث رہا، اس سے بھی اس کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ شاہ کمیشن نے اس کی کارکردگی کے متعلق جو تبصرے کیے تھے وہ اب بھی بھارتی حکمرانوں کے لیے قابلِ توجہ ہیں۔ شاہ کمیشن نے سی بی آئی (CBI) کو سیاسی مقاصد کے لیے فرد کے حقوق غصب کرنے کا قصوروار قرار دیا تھا۔ جسٹس شاہ نے سفارش کی تھی کہ سی بی آئی (CBI) کو آئینی حیثیت دے دی جائے۔ اس کے ڈائریکٹر کو ایک آزاد باڈی کے سامنے جوابدہ قرار دیا جائے اور اسے ہوم منسٹری سے علیحدہ کر دیا جائے، مگر ان سفارشات پر عمل نہیں ہو سکا۔ زیرِ لب اب بھی سی بی آئی (CBI) کے خلاف شکایتیں ہوتی ہیں، کبھی کبھی اخبارات میں بھی ان کا تذکرہ آجاتا ہے۔ سی بی آئی کے افسر اس صورتِ حال سے آگاہ ہیں اور بعض دیانت دار افسر اصلاحِ احوال کے لیے آواز بھی بلند کرتے رہتے ہیں۔ مگر سیاسی مقاصد اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

سی بی آئی کی جدید ترین لیبارٹری کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اب ہم قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

سی بی آئی (CBI) کی کامیابیوں میں اس لیبارٹری کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ اس میں جدید ترین سائنسی آلات ہیں۔ جرائم کی تفتیش کے لیے نہ صرف ان آلات سے مدد لی جاتی ہے بلکہ دیگر جدید طریقے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس لیبارٹری کا بآسانی ایف بی آئی (FBI) یا سکاٹ لینڈ لیبارٹری سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے تاہم اس کے پاس اتنا تجربہ کار عملہ نہیں ہے جتنا FBI یا سکاٹ لینڈ کے پاس ہے۔

سی بی آئی (CBI) کے الوسٹی گیٹو سنٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر ایچ ایل بھاٹی نے

لیبارٹری کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ ہم یہاں تقریباً جرم سے متعلق ہر مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ بھائی کا یہ دعویٰ کھوکھلا نہیں ہے۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے بھارت اسے ایشیا کی سب سے بڑی اور بہترین لیبارٹری بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس مقصد کے لیے ہر سال بجٹ میں بھاری رقم مختص کی جاتی ہے۔ یہ لیبارٹری بیورو کے علاوہ دہلی پولیس، سٹیٹ گورنمنٹ اور حکومت کے دوسرے شعبوں کے کیسوں کو حل کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ یہ ہر سال ساڑھے چار ہزار سے زائد کیس حل کرتی ہے اور یہ تعداد بیورو کے دوسرے شعبوں سے دوگنا ہے۔ اس لیبارٹری میں ایسے ماہرین موجود ہیں جو کھوپڑی سے انسانی چہرہ بنا سکتے ہیں اور یہ چہرہ اصل چہرے سے اتنا متشابہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کا کوئی بھی قریبی عزیز بآسانی پہچان سکتا ہے۔ اس تکنیک سے بے شمار کیس کیے جا چکے ہیں کیونکہ ماضی میں جب کوئی گلی سڑی لاش ملتی تو اس کا چہرہ اتنا مسخ ہو چکا ہوتا کہ پہچان ناممکن ہوتی تھی۔ اس طرح لاشوں کو لاوارث قرار دے کر ٹھکانے لگا دیا جاتا تھا اور یوں بہت سے کیس حل نہیں ہوتے تھے مگر اس نئی تکنیک نے لاوارث اور گلی سڑی لاشوں کے معمے حل کرنے میں کیے ہیں۔

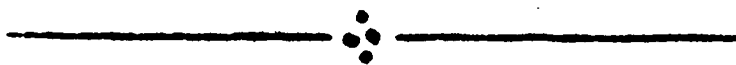
سی بی آئی (CBI) کی اس لیبارٹری میں جھوٹ پکڑنے والی مشین بھی ہے۔ ملزم کو اس پر بٹھا دیا جاتا ہے اور پھر سوال کیا جاتا ہے۔ جھوٹ پکڑنے والی مشین انسانی جسم کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کو نوٹ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ شخص سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ اگر جھوٹ بول رہا ہے تو کتنے فیصد؟ گو حال ہی میں اس مشین کے متعلق یہ انکشاف ہوا ہے کہ یہ غلطی بھی کرتی ہے تاہم سی بی آئی (CBI) کے پاس اس کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس لیبارٹری کو جدید ترین خطوط پر منظم کیا جا رہا ہے۔

سی بی آئی (CBI) کے عام کارکن بھی جدید ترین آلات اور اسلحہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ایجنٹ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم جس سے اس نے ممکن ہے چند منٹ قبل آپ

کے لیے چیک پر دستخط کیے ہوں وہی قلم ایجنٹ کی خواہش پر آپ کے لیے موت کا فرشتہ ثابت ہو سکتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیورو میں الیکٹرانکس کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ مختلف سائز کا ٹرانسمیٹر تقریباً ہر اہم آدمی کو فراہم کیا جاتا ہے۔ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق سی بی آئی (CBI) کے ایجنٹ ایسے کیمیکلز بھی استعمال کرتے ہیں جو مقررہ مدت کے بعد خود بخود پھٹ جاتے ہیں۔ یہ کیمیکلز کتے، بلی یا ایسے ہی کسی جاندار کو کھلا دیے جاتے ہیں اور پھر اس جانور کو کسی خاص عمارت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ ایک گھنٹے بعد وہ کیمیکلز پھٹتے ہیں تو اس عمارت کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔ ملزموں سے راز اگلوانے کے لیے فرانس، امریکہ اور روس کی سیکرٹ سروسز ایل ایس مرکبات استعمال کرتی ہیں۔ اب سنا ہے کہ اسے سی بی آئی بھی استعمال کر رہی ہے۔ جاپانیوں کی ایجاد کردہ مشین مونٹیل مارک ۲ بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اسے جب ٹیلیفون کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو پھر ایسے نمبر بھی ملائے جا سکتے ہیں جو پہلے سے انگیجنڈ ہوں۔ اس خاص نمبر پر ہونے والی گفتگو کو نہ صرف سنا جا سکتا ہے بلکہ ٹیپ بھی کیا جا سکتا ہے۔

سی بی آئی کے مختلف شعبے اس طرح کے بے شمار آلات استعمال کر رہے ہیں۔ ان میں ایسے آلات بھی ہیں جن کے متعلق کسی کو خبر نہیں مگر سی بی آئی (CBI) کی ان تمام کوششوں کے باوجود بھارت میں جرائم کی رفتار میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ جرائم کا خاتمہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جرائم کے اسباب ختم کر دیے جائیں۔



سی بی آئی (CBI) کا تنظیمی ڈھانچہ

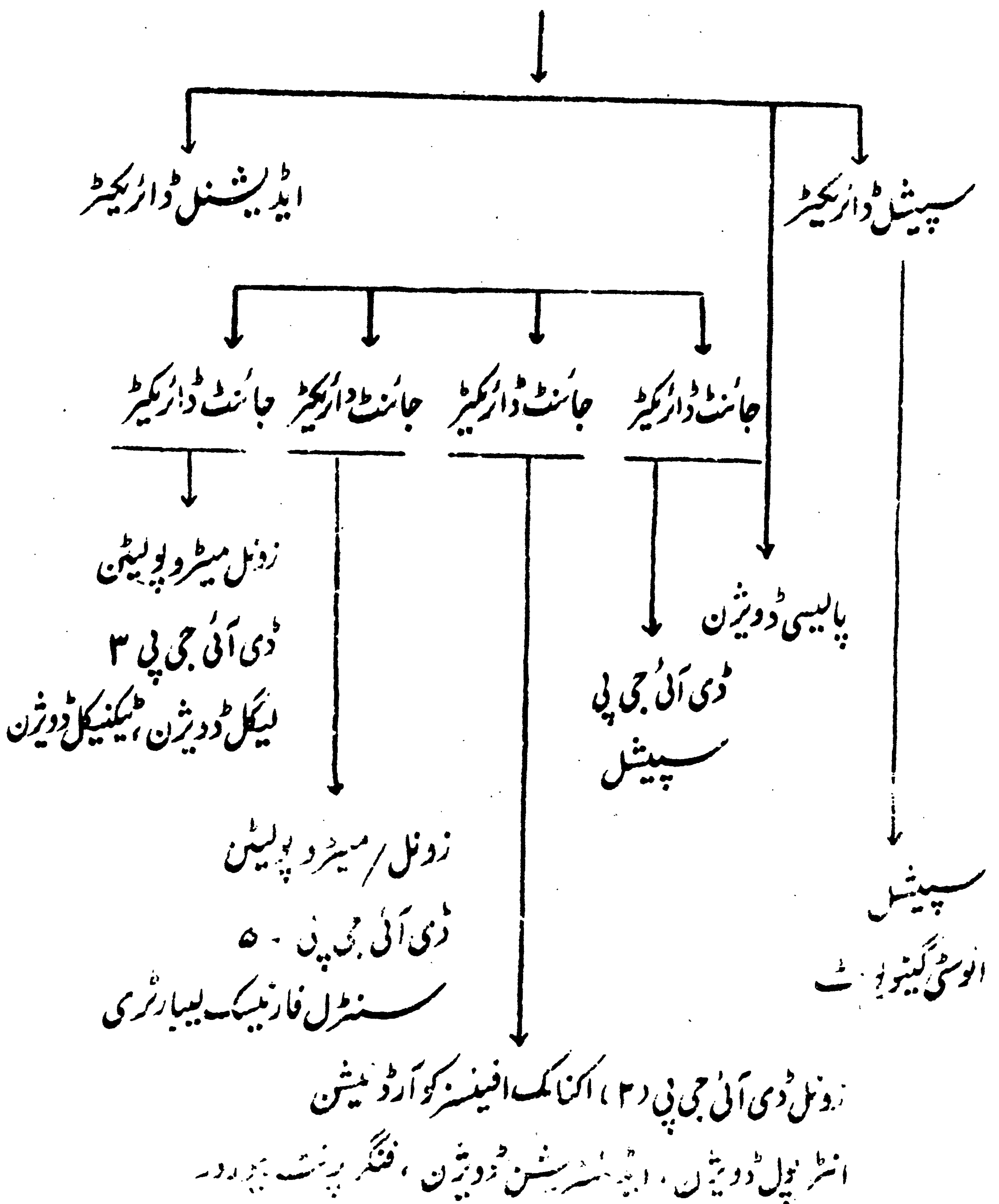
وزارت داخلہ

↓

ڈیپارٹمنٹ آف پرسانل اینڈ ایڈمنسٹریٹو ریفارمز

↓

ڈائریکٹر سی بی آئی



بنگلہ دیش کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی خوفناک بھارتی سازش سے

پہلی بار پردہ اٹھتا ہے

بھارتی حکمرانوں نے آج سے دس برس پہلے محض پاکستان کو تباہ کرنے کے لیے مشرقی پاکستان کے عوام کو بغاوت پر اکسایا اور بالآخر اس کی جارحیت کے نتیجے میں بنگلہ دیش کی الگ مملکت وجود میں آ گئی لیکن ابھی پاکستان کو توڑنے کا عمل جاری تھا کہ بھارتی حکمرانوں کو احساس ہو گیا کہ وہ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بقول اُن کے "الگ تشخص، زبان اور ثقافت کی بنیاد پر علیحدگی کے مطالبے کی عملاً تائید و توثیق کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں خود اُن کے اپنے ملک میں جہاں پہلے ہی علیحدگی کی متعدد تحریکیں چل رہی ہیں" ۲۷ آزاد مملکتیں وجود میں آ سکتی ہیں۔ دوسرے اپنی سیاسی چیرہ دستیوں اور حماقتوں کی وجہ سے ایک پاکستان کو جنم دینے کا باعث بننے کے بعد اب وہ اپنی سرحدوں کے ساتھ ایک اور آزاد مسلم ریاست کو وجود میں لانے کی حماقت کر رہے ہیں۔ اگرچہ پانی سر سے گزر چکا تھا لیکن پھر بھی ہندو ذہنیت نے اس کا توڑ کرنے کے لیے دو فیصلے کیے۔ ایک تو یہ کہ بنگلہ دیش کو مسلم مملکت نہ بننے دیا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے اپنے آلۂ کار شیخ مجیب کو سیکولرازم کا نسخہ تجویز کر کے دیا۔

دوم خفیہ ساز باز کر کے کسی تاخیر کے بغیر مجیب سے دوستی کا ۲۵ سالہ معاہدہ اور آٹھ ذیلی معاہدے کر لیے گئے جو نہایت اہانت آمیز اور شرمناک تھے۔ مقصد یہ تھا کہ بنگلہ دیش بھارت کا طفیلی، محکوم، مجبور اور تابع بن کر رہ جائے اور اگر کبھی ڈھاکہ کی کوئی قیادت یا عوام بھارت کا طوقِ غلامی اتار پھینکنا چاہیں تو بھارت کے پاس فوری فوجی مداخلت

کا جواز موجود ہو۔

بھارت نے یہ سارا کھیل کھیلتے وقت محض اپنے چند زرخرید ایجنٹوں ہی کو سامنے رکھا اور بنگالی مسلمانوں کے اجتماعی کردار کو کبھی سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار سال کے مختصر عرصے ہی میں اس غیرت مند قوم نے عصرِ حاضر کے میر جعفر اور اس کے حواریوں کا صفایا کر دیا۔ صدر ضیاء الرحمٰن کے قتل کو ایک اور ایسی ہی کوشش کہا جا سکتا ہے جس کا مقصد بنگلہ دیش کے مسلم تشخص کو پامال کرنا تھا لیکن حالیہ صدارتی انتخابات میں عوامی لیگ کے ایک رہنما اور مشہور بھارت نواز ڈاکٹر کمال حسین کو بنگلہ دیش نیشنل پارٹی کے امیدوار اور جسٹس عبدالستار کے مقابلے میں عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ انتخابات اس بات کا ریفرنڈم تھے کہ بنگلہ دیش کے عوام بھارت اور اس کے ایجنٹوں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ اس نفرت کی تہہ میں دوسری باتوں کے علاوہ بھارت اور بنگلہ دیش کا نام نہاد دوستی کا ۲۵ سالہ معاہدہ ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

بھارت کے ہاتھوں بنگلہ دیش کی تباہی :

دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پہ سازش اور طاقت کے ذریعے قبضہ کر لینے کے بعد بھارت نے اس خطے کو اپنا طفیلی اور محکوم بنا لینے کے لیے طویل بنیادوں پر اقدامات کیے۔ ان میں نہ صرف سیاسی و فوجی بلکہ اقتصادی، معاشی و ثقافتی اقدامات بھی تھے۔ ہر شعبے میں لمبی مدت کی منصوبہ بندی کی گئی اور طے پایا کہ اس نو آزاد ملک کو اخلاقی طور پر مطیع بنا لینے کے بعد ہر لحاظ سے مجبور و بے بس بنا دیا جائے۔ اس طرح کہ پھر کبھی یہ کسی دوسری طاقت کی مدد سے بھی بھارت کے چنگل سے نکلنے کا تصور نہ کر سکے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس مفتوحہ سرزمین میں بہت بڑے پیمانے پر

لوٹ مار کا بازار گرم کیا گیا۔ پٹ سن کی تمام فصل و ذخائر فوری طور پر بھارت منتقل کر دیے گئے۔ اور صنعتی طور پر بھارت کا دستِ نگر بنائے رکھنے کے لیے اس کے تمام اہم کارخانوں اور صنعتوں کو تباہ کر دیا گیا یا ان کی مشینری بھارت پہنچا دی گئی۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے فوراً بعد یعنی ۱۹۷۲ء میں بھارت کی پٹ سن کی برآمد میں اچانک چار گنا اضافہ ہو گیا۔ اعلان یہ کیا گیا کہ بھارت میں پٹ سن کی شاندار فصل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ سب مالِ غنیمت تھا جو کام آیا۔ اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کی جو لوٹ مچی اس کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ بھارت کی اس لوٹ کی تفصیلات دنیا بھر کے اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔ عالم یہ تھا کہ بھارتیوں نے سرکاری و نجی دفاتر کے قالین تک نہ چھوڑے۔ جن ٹرینوں میں مال بھر کر بھارت لے جایا جاتا وہ وہیں روک لی جاتیں۔ صرف کھلنا کے علاقے سے دس کروڑ ڈالر کی مشینری بھارت پہنچائی گئی۔

بھارتی حکومت نے محض دنیا کو دکھانے اور بنگلہ دیشیوں کو مطمئن کرنے کے لیے عام لوٹ مچانے کے جرم میں اپنے ایک میجر جنرل کو سزا کے طور پر بریگیڈیر بنا دیا۔ کچھ دیگر فوجی افسروں کی تنزلی اور برطرفی بھی کی گئی۔ لیکن لوٹے ہوئے مال کا کوئی حصہ واپس نہ کیا گیا۔

۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۱۵ فروری ۱۹۷۲ء تک صرف چٹاگانگ کی بندرگاہ میں بھارت کے ۲۵ خالی مال بردار جہاز لنگر انداز ہوئے اور نامعلوم مقدار میں مالِ غنیمت لاد کر کلکتہ اور مدراس کی بندرگاہوں کو روانہ ہو گئے۔ اس عرصے میں آخری جہاز جس میں مشینری لاد کر کلکتہ لے جائی گئی، وہ پاک بحریہ کا "بکر" تھا۔ یہ جہاز بھی بنگلہ دیش کو واپس کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

صنعتی لحاظ سے بنگلہ دیش کو ناکارہ بنا دینے کے لیے دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں دانستہ کارخانوں اور فیکٹریوں پر تباہ کن بمباری کی گئی۔ باقی جو کچھ بچا اس پر دیسے ہاتھ ..

صاف کر دیا گیا۔ بنگلہ دیشی حکومت کے ایک رُکن نے ایک فرانسیسی جریدے کے نامہ نگار مراد کو بتایا تھا کہ اگر آج ہمارے کارخانے بند پڑے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاکستانی فوج نے انہیں تباہ کر دیا ہے۔ پاکستانی فوج نے کسی کارخانے کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے کارخانوں کی مشینری بھارتیوں نے لُوٹ لی اور اسے مغربی بنگال لے جا کر فروخت کر دیا۔

معاہدوں کے خدوخال :

جنگ کے خاتمے کے بعد اور ڈھاکہ میں مستحکم حکومت قائم ہونے تک جو کچھ بھی ہوا وہ نہایت المناک تھا۔ یہ مستحکم حکومت مجیب کے قتل ہونے تک قائم نہ ہو سکی تھی اور اس کا تمام تر فائدہ بھارت کو پہنچا جس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک دہشت پا کی طرح بنگلہ دیش کی نو آزاد مملکت کے وجود میں پوری طرح اپنے ناخن گاڑ دیے۔ اس ضمن میں بھارتی حکومت کا سب سے خوفناک اقدام وہ ۲۵ سالہ معاہدہ تھا جو اُس نے مجیب کے ساتھ کیا اور جس کے ذریعے اس ملک کو اور اس کی موجودہ اور آنے والی نسلوں کو عملاً بھارت کی غلامی میں دے دیا گیا۔ یہ معاہدہ اتنا شرمناک تھا کہ مجیب اور اس کے حواریوں نے اسے خفیہ رکھنے کے لیے تمام تر اقدامات کیے اور اس کی معمولی تفصیلات کا علم بھی اس وقت کی پارلیمنٹ یا عوام کو نہ ہو سکا۔ جو تھوڑی بہت تفصیلات سامنے آئیں وہ اتنی ہولناک تھیں کہ خود مجیب کے فوجیوں نے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس معاہدے کے تحت بنگلہ دیش کی حکومت کو پابند کر دیا گیا کہ وہ بجٹ، آئین، تجارتی سمجھوتوں، خارجہ امور یا کسی بھی دوسرے اہم معاملے میں کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے بھارتی حکومت سے لازماً مشورہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ آٹھ میں سے سات معاہدے بھارت میں طے پائے اور ان پر مجیب

حکومت کی طرف سے تاج الدین احمد نے دستخط کیے۔ آٹھویں سمجھوتے پر اندرا گاندھی کے دورہ ڈھاکہ (۱۹۷۲ء) کے دوران میں دستخط ہوئے۔ بنگلہ دیش کی طرف سے خود مجیب نے دستخط کیے۔ مبصرین کے خیال میں یہ سمجھوتے ان سمجھوتوں اور معاہدوں سے بھی بدتر تھے جو انگریزوں نے مغل فرمانرواؤں کو شکست دینے کے بعد فاتح کی حیثیت سے اُن کے ساتھ کیے تھے۔ ان معاہدوں کے بعض نکات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

بھارت بنگلہ دیش میں اپنی ایک فوج تیار کرے گا جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق افراد بھرتی کرے گا اور جس کے افسر بھارت کی مسلح افواج سے لیے جائیں گے۔ ایک نیم فوجی اور اضافی فورس ہوگی جسے خاص مواقع پر استعمال میں لایا جا سکے گا۔ لیکن اہمیت اور طاقت کے لحاظ سے یہ بنگلہ دیش کی باقاعدہ فوج سے بھی بڑی ہوگی۔

کہا یہ جاتا ہے کہ یہ نیم فوجی تنظیم دراصل راکھی باہنی تھی۔ یہ لوگ بھارتی فوج کی وردیاں پہنتے تھے۔ بھارت کی فوجی ہائی کمان نے یہ تنظیم قائم کرنے کے لیے ابتدائی اقدامات شروع کر دیے تھے۔ اس میں ۸۰ فی صد افراد عوام کے اس حلقے سے تعلق رکھتے تھے جو بھارتی مقاصد کی جلد تکمیل کے لیے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔

جہاں تک نفری اسلحہ اور فوجی گاڑیوں کا تعلق ہے یہ متبادل فوجی تنظیم بنگلہ دیش کی باقاعدہ فوج سے بھی بڑی تھی۔ اس کے قیام کا مقصد اسے سیاسی مقصد کے لیے استعمال کرنا تھا۔ اگر ڈھاکہ میں کبھی کوئی بھارت مخالف حکومت قائم ہوتی تو راکھی باہنی کو تو اس کا صفایا کر دینے کے لیے اشارہ کر دینا کافی تھا چنانچہ یہ بنگلہ دیش میں بھارت کے خلاف مظاہروں اور پروپیگنڈوں کو کچلنے کے لیے استعمال میں لائی گئی۔ چونکہ اس فوج کا بڑا حصہ بھارت نواز افراد پر مشتمل تھا۔ اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کبھی یہ فوج بھارت کے خلاف بھی استعمال کی جا سکے گی۔ اس کی وردی وہی تھی جو بھارتی فوج کی ہے اور بھارت کو اس کا فائدہ یہ تھا کہ اگر کبھی بنگلہ دیش میں بھارت

مختصر سا تجزیہ کریں۔

حکومتِ برطانیہ نے ۱۸۹۳ء میں گاندھی کو ملک بدر کیا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جب گاندھی نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے بیرونِ ملک جاکر ۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۴ء تک کے دوران جنوبی افریقیہ میں قیام کیا۔ اسی عرصہ میں ان کے دو قریب ترین دوستوں میں ایک ایچ۔ ایس۔ ایل (H.S.L.POLOCK) پولاک نامی ایک یہودی انگریز تھا یہ شخص جوہنز برگ کے ایک اخبار سے منسلک تھا یہ۔ک گاندھی کا دستِ راست تھا۔ اور اُس نے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۵ء تک گاندھی کے اٹارنی کی حیثیت سے کام کیا۔ وہ ۱۹۱۳ء میں ایک مختصر سے عرصے کے لئے گاندھی کے ہمراہ جیل بھی جا چکا ہے۔

جنوبی افریقیہ میں گاندھی اس کا دُوسرا قریبی دوست ہرمین کولن HERMAN COLN تھا جو لیتھونیا کا یہودی اور صیہونیت کا زبردست حامی تھا۔ جب گاندھی نے برطانوی حکومت کے خلاف ستیہ گرہ کی تحریک شروع کی تو کولن نے اس میں سرگرمی سے حصّہ لیا۔ بالآخر ۱۹۴۵ء میں یہ یروشلم چلا گیا۔ اور وہیں مر گیا۔ اِس کے خاندان کے بہت سے افراد اب بھی وہاں آباد ہیں۔

اِسی طرح ایک اور برطانوی یہودی ایل۔ ڈبلیو رِتچ لا فرم LAW FIRM ملازم تھا۔ جسے بعد میں ۱۹۰۶ء میں ساؤتھ افریقن برٹش انڈین کمیونٹی کا سیکریٹری بنا دیا گیا اور یہ گاندھی کا معتمد دوست تھا

اگست ۱۹۳۶ء میں ایک اور یہودی ہینوئل اولس دیچر بھارت میں خفیہ مقاصد کے لئے آیا۔ اور اس نے گاندھی۔ نہرو اور خان عبدالغفار خان اور کانگریس کے دیگر راہنماؤں سے ملاقات کی۔ اور نومبر کو واپس فلسطین چلا گیا۔ ایک اور یہودی خفیہ مقاصد کی تکمیل کے لئے ۱۹۳۹ء میں آیا اس کا نام جوزف نیر بی تھا۔ ۱۹۴۷ء میں یہودیوں کا ایک

کے خلاف نفرت کا جوالا مکھی پھٹ پڑے اور بڑے پیمانے پر ہنگامے شروع ہو جائیں تو بھارت سے حسب ضرورت ہزار مسلح باقاعدہ بھارتی فوج سرحد پار کر کے اندرون ملک کارروائی کر سکیں۔

بنگلہ دیش کو اپنے قیام کی جدوجہد کے دوران میں بھارت سے مختلف صورتوں میں جو امداد ملتی رہی اس کی ادائیگی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل شرائط منوائی گئیں :۔

(الف) بنگلہ دیش بھارت کے سوا کسی دوسرے ملک سے کسی قسم کا اسلحہ نہیں خریدے گا۔ وقتاً فوقتاً ڈھاکہ کی حکومت کو یہ اعلان کرنا ہو گا کہ اس نے بھارت سے اتنے کروڑ ٹکے کا اسلحہ خریدا ہے۔ اسلحہ اور دیگر سامان ضرورت کی قیمتوں کا تعین بھارت خود کرے گا اور اس پر سودے بازی نہیں ہو سکے گی۔ بنگلہ دیش کی حکومت بھارت سے جس قدر اسلحہ کی خریداری کا اعلان کرے گی حقیقت میں بھارت اس سے صرف نصف مالیت کا اسلحہ مہیا کرے گا۔ نیز بھارت اپنا فروخت کردہ سامان جنگ کسی وقت بھی واپس لے سکے گا۔ بنگلہ دیش کو صرف وہی اسلحہ مہیا کیا جائے گا جو اسے اندرونی شورشوں پر قابو پانے کے لیے درکار ہو۔

(ب) بھارت بنگلہ دیش کی بیرونی تجارت کو کنٹرول کرے گا۔ بھارت کی اجازت حاصل کیے بغیر بنگلہ دیش کوئی چیز برآمد نہیں کر سکے گا اور برآمدی قیمتوں کا تعین بھارت کرے گا اور بنگلہ دیش دوسرے ملکوں سے اس کی فروخت کی بات چیت کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔

(ج) بنگلہ دیش پابند ہو گا کہ وہ اپنا سالانہ اور پانچ سالہ ترقیاتی پروگرام بھارت کو منظوری کے لیے پیش کرے۔

(د) بنگلہ دیش کو بھی وہی خارجہ پالیسی اختیار کرنی ہو گی جو بھارت کی ہو گی۔ اپنی داخلی سلامتی میں بنگلہ دیش کو بھارت سے مدد حاصل کرنا ہو گا۔

(٥) بنگلہ دیش بھارت سے کیے گئے کسی معاہدے یا سمجھوتے کو ایک طرفہ طور پر مسترد یا کالعدم نہیں کر سکے گا۔ سال بہ سال اُن کی خود بخود تجدید ہوتی رہے گی۔ البتہ اگر بھارت انہیں غیر موثر قرار دے دے تو یہ ختم سمجھے جائیں گے۔

اس طرح مجیب الرحمن نے اپنی عاقبت نااندیشی کی بنا پر پورے مشرقی پاکستان کو ۲۵ برس کے لیے بھارت کی محکومی میں دے دیا۔



انسانوں پر درندوں کے ظلم کی کہانی

۲۵ جون ۱۹۷۵ء کی شام کو بھارت کی سرزمین پر سورج ایسا غروب ہوا کہ کامل انیس ماہ تک اندھیرا چھایا رہا اور انسان کو انسان سجھائی نہ دیتا تھا، ایمرجنسی کے اعلان کے ساتھ ہی تاک میں بیٹھے ہوئے درندے انسانوں پر ٹوٹ پڑے، بھر بستیاں اُجڑنے لگیں، گھر لٹنے لگے، انسان گھٹنے لگے، سلنے بڑھنے لگے۔

ان انیس مہینوں میں، بھارت میں پندرہ لاکھ سے زیادہ معصوم انسانوں کو قید خانوں میں ڈال دیا گیا، ۱۲۲ مرتبہ عوام پر پولیس فائرنگ کی گئی، ایک ہزار سے زیادہ بے گناہ انسانوں کو قتل کر دیا گیا اور بے شمار افراد کو زخمی اور محتاج بنا دیا گیا۔

انسانوں پر ظلم و جبر کرنے کا کام، وزیر مملکت برائے امورِ داخلہ، مسٹر اوم مہتہ کے سپرد کیا گیا تھا، ان ایام میں نہ فریاد کرنے کی اجازت تھی، نہ احتجاج کرنے کی آزادی تھی، نہ اپیل کرنے کی سہولت تھی، بنیادی انسانی حقوق کو معطل کر کے کالے قوانین، میسا اور ڈی، آئی، آر کے تحت انسانوں کی تذلیل کی جا رہی تھی، عدالتیں بے بس تھیں، ایمرجنسی کے دوران، ہر شریف شہری کی

پگڑی اچھالی گئی، امیر و غریب دونوں کی بے عزتی کی گئی۔ آرڈی نینسوں کے ذریعے حکومت کی جا رہی تھی، سنجے گاندھی بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

" وہ لوگ غلطی پر ہیں، جو میری ماں کو راج سنگھاسن سے اتارنا چاہتے ہیں، ہم آسانی سے راج چھوڑنے والے نہیں، اگر میری ماں کو کسی وجہ سے ہٹنا پڑا تو میں آگے آجاؤں گا، میں ان کی گدی پر بیٹھ جاؤں گا۔"

نہرو خاندان نے بھارت پر راج کو آبائی جاگیر سمجھ لیا تھا۔

ایمرجنسی کے کالے دنوں میں، جس وزیر (اوم مہتہ) پر "قانون پر عمل درآمد" کی ذمہ داری ڈالی گئی، وہ اپنے مزاج اور نفسیات کے اعتبار سے ہلاکو اور چنگیز سے مختلف نہ تھا۔ شری اوم مہتہ کی واحد "خوبی" یہ تھی کہ وہ اندرا کا ایک معتمد کاسہ لیس تھا، اسی بنا پر وہ وزیر داخلہ مسٹر برہما نند ریڈی سے اہمیت اور قرب سلطانی کے میدان میں بازی لے گیا تھا، ہندوستانی پولیس انگریزوں کے دور سے ہی ظلم و جور توڑنے میں شہرت رکھتی ہے، اب اس پر ایک ایسے شخص کو اختیار سونپا گیا تھا، جو اسے انتہائی حد تک استعمال کرنے میں یقین رکھتا تھا۔ جیسے ہی ایمرجنسی کا اعلان ہوا، پولیس اپنے اصلی روپ میں لوگوں کے سامنے آگئی۔ گلی کوچوں، بازاروں، سڑکوں، چوراہوں اور عوامی اجتماع کے تمام مقامات میں لاٹھی گولی سے مسلح پولیس کے افراد نظر آنے لگے، ایمرجنسی کے اعلان والی شب کو کم از کم چار سو پچاس وارنٹ جاری کئے گئے، ان وارنٹوں پر سیاسی مخالفین کے نام بعد میں حسب ضرورت درج کئے گئے، اکیلے دہلی شہر میں نوے کے قریب اپوزیشن لیڈروں کو اس رات گرفتار کیا گیا، دوسرے دن، یعنی ۲۶ جون کو دو سو پچھتر لیڈر گرفتار کئے گئے۔

سب سے پہلے مسٹر جے پرکاش نرائن کو گرفتار کیا گیا، ابھی وہ رام لیلا گراؤنڈ میں ۲۵ جون کی شام کے عظیم الشان جلسہ میں شرکت کے بعد واپس آکر سوئے ہی تھے۔ رات کے ڈیڑھ بجے ان کے دوست شری رادھا کرشن کو جگایا گیا اور اسے بتایا گیا کہ باہر پولیس اس کے وارنٹ برائے گرفتاری لئے منتظر ہے، چندر شیکھر کو جے پرکاش کی ہمراہی میں تھانے میں گرفتار کیا گیا۔

"آل دی پرائم منسٹرز مین" نامی کتاب کے چند اور اقتباسات دیکھئے!

شہروں میں پولیس ہی پولیس دکھائی دیتی تھی، ڈھالی خود اور لاٹھیوں سے مسلح پولیس کے

دستے، چوکوں، اور بازاروں میں متعین تھے، جن لوگوں کو صورتِ حال کی سن گن پہلے لگ چکی تھی۔ وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے، لیکن روپوشی کے ایام میں انہیں شدید صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ طلبا اور نوجوانوں کی تنظیموں کے ممتاز لیڈر جہاں بھی دستیاب ہوئے انہیں پکڑ لیا گیا، خواہ وہ محلہ تھا، کالج کی کینٹین، بس سٹاپ یا ان کے اپنے گھر۔ ان کی گرفتاری اور اسیری کے مقام سے ان کے والدین تک کو آگاہ نہ کیا گیا۔

لیکن یہ تو فقط آغاز تھا۔ اپوزیشن کے ارکان کو دبایا نہ جا سکا۔ انہوں نے زیرِ زمین سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ اور ستیہ گرہ کو منظم کیا اور خفیہ خبرنامے تقسیم کئے۔ پولیس ان پر چھاپے مارتی رہی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں اور خوف و ہراس معمول بن گیا، دو ماہ کے اندر پندرہ ہزار ستیہ گرہیوں کو پکڑ لیا گیا .... سات ہزار افراد کو محض اس شبہ میں دھر لیا گیا کہ وہ زیرِ زمین لٹریچر تقسیم کر رہے تھے،

وزارتِ قانون، پولیس کی مدد کرتی رہی اور متعدد آئینی ترمیمات اور آرڈی نینس نکالے گئے، لوگوں کے بنیادی حقوق معطل کر دیئے گئے، غیر قانونی نظر بندی کے خلاف حق چھین لیا گیا، ۲۷ جون کو صدر کی طرف سے ایک آرڈی نینس جاری کیا گیا، جس کی رو سے گرفتار ہونے والوں کے لئے یہ ناممکن بنا دیا گیا کہ وہ غیر قانونی نظر بندی اور گرفتاری کے خلاف قانون کے مساوی تحفظ' اور اپنی زندگی اور ذاتی آزادی کے لئے آواز اٹھا سکیں۔

۲۹ جون کو، صدر فخر الدین علی احمد کی طرف سے ایک اور آرڈی نینس جاری ہوا، اس کی رُو سے اندرونی سلامتی کے قیام کے قانون (میسا) میں ترمیم کر دی گئی، اور قرار پایا کہ آئندہ کسی نظر بند یا اسیر کو ایک مقررہ معیاد کے اندر اس کی گرفتاری کی وجوہ سے آگاہ نہیں کیا جائے گا، اس طرح پولیس کو اپنی مرضی سے گرفتاریاں کرنے کے اندھے اختیارات حاصل ہو گئے، اور انہیں کسی کے سامنے جواب دہ ہونے کا خوف نہ رہا ...... ایمرجنسی کے دوران، سب سے زیادہ افراد صوبہ بہار سے گرفتار کئے گئے جن کی تعداد بائیس سو تھی، گجرات سے دو ہزار اور دہلی سے ایک ہزار افراد گرفتار کئے گئے۔

اسیروں کے ساتھ پولیس نے انتہائی بہیمانہ سلوک روا رکھا، قومی سطح کے لیڈروں کو قیدِ تنہائی میں رکھا گیا، جہاں بیرونی دنیا سے ان کا بالکل کوئی رابطہ باقی نہ رہا۔ اپنی قیدِ تنہائی میں،

جے پرکاش نے لکھا۔

"آج قید میں ایک مہینہ ہوگیا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ماہ، ایک سال کے برابر تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ انتیس، تیس سال سے قید ہونے کی اپنی عادت چھوٹی ہوئی تھی، اندرا جی کی حکومت تاریخ میں یاد رکھی جائیں گی۔ اپنی بہت سی کامرانیوں یا ناکامیوں کے سبب .... اس کی نمایاں ترین کامیابی، جمہوریت کا خون ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ حکومت یونہی یاد رکھی جائے گی (چند ماہ یا چند سال تک کہ میں زندہ ہوں) کہ آزاد ہندوستان کی یہ وہ حکومت ہے جس میں مجھے پہلی مرتبہ، اشک آور گیس، سنٹرل ریزرو پولیس کے لاٹھی چارج اور اسیری کا سامنا کرنا پڑا ہے، برطانوی دور میں، مجھے ذاتی طور پر آنسو گیس یا لاٹھی کے حملوں کا تجربہ نہیں ہوا تھا، اس کے علاوہ اپریل ۱۹۴۶ء میں آگرہ سنٹرل جیل سے رہائی کے بعد مجھے کبھی گرفتار یا نظر بند نہیں کیا گیا تھا، مہینے کی مدت کو سال کے برابر سمجھنے کی اور وجہ، یقیناً میری تنہائی بھی ہے، دوسرے ساتھی اسیروں کی صحبت سے وقت اچھا کٹ جاتا تھا۔"

اپنی ڈائری میں، ۱۴ اگست کو، جب وہ پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ میں تھے۔ جے پرکاش نرائن نے لکھا۔ "انسان آزاد ہو تو ڈاکٹر اور نرسیں بھی محبت فراہم کرتے ہیں لیکن یہاں، وہ سوائے میری صحت کے اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے، ڈائریکٹر کے علاوہ، جیسے ہی میرے کمرے میں کوئی دوسرا ڈاکٹر یا نرس داخل ہوتی ہے تو ان کے پیچھے پیچھے جیل کا عملہ یا پولیس ہوتی ہے (وہ آئی بی یا سی بی آئی بھی ہوسکتی ہے) وہ سب لوگ، یہاں پورے ہسپتال میں بھرے ہوتے ہیں اور متعدد کمروں میں موجود ہیں ... ان کا ایک نمائندہ (جو غالباً ہیڈ کانسٹیبل ہوتا ہے) میرے کمرے کے دروازے پر چوبیس گھنٹے پہرہ دیتا ہے۔ (وہ یہ کام باری سے کرتے ہیں) یہی کیفیت ان انتظامی افسروں کی ہے جو کبھی کبھار مجھے دیکھنے آجاتے ہیں، وہ بھی مہربلب رہتے ہیں اور اپنے فرض کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتے۔ پس، اس کے باوجود کہ میں ہسپتال میں ہوں، میری دیکھ بھال کی جارہی ہے اور بہت سے لوگ آتے جاتے بھی ہیں، میری تنہائی بدستور قائم ہے اور میں جو چاہتا ہوں وہ ہے مجلس، اس طرح اپنے کمرے میں بند رہنا، جبکہ ملک کو ذاتی آمریت کے بحر ظلمات میں زیادہ گہرائی تک ڈبویا جارہا ہے، میرے لئے قطعاً موت سے کم نہیں۔"

یہ نہیں کہ جو لوگ روپوش ہو گئے تھے ان کے خاندان آسائش میں تھے۔ حقیقت یہ ہے

کہ روپوش ہونے والے حزب اختلاف کے لیڈروں کے رشتے داروں اور گھر والوں کو بے حد پریشان اور ذلیل کیا گیا۔ ان پر روپوش لیڈروں کے بارے میں اطلاع حاصل کرنے کے لئے انتہائی زیادہ ظلم ڈھائے گئے۔ اِن کے گھروں پر پہرے بٹھائے گئے، چھاپے مارے گئے، ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں، ان کو تھانے بلا کر پوچھ گچھ کے بہانے تنگ کیا جاتا تھا، اِن کی ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی۔ اِس ظلم اور اندھیر نگری کی ایک معمولی سی مثال، روپوش رہنما جارج فرنانڈیس کے بھائی لارنس فرنانڈیس کا معاملہ ہے۔ واضح رہے کہ جارج فرنانڈیس آج کل مرارجی ڈیسائی کی حکومت میں وزیر ہیں۔

یکم مئی ۱۹۷۶ء کو پولیس نے لارنس کو اس کے گھر سے پکڑ لیا اور بنگلور پولیس کے بدنام عقوبت خانہ" کورآف ڈی ٹیکٹوز" لے گئی، وہاں اس کا استقبال ایک تھپیڑ سے کیا گیا، یہ تھپیڑ اس قدر زبردست تھا کہ جارج کئی منٹ تک بے ہوش رہا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے کپڑے اتار لئے گئے ہیں اور دس کانسٹیبل اس پر لاٹھیوں کی بارش برسا رہے ہیں۔ اس رات، تین بجے تک پولیس مسلسل لاٹھیوں اور مکّوں سے اسے مارتی رہی۔ صبح، جاگنے پر اُسے شدید پیاس محسوس ہوئی اور اس نے پانی مانگا، اس پر ایک پولیس افسر نے ایک سپاہی سے کہا کہ اس کے منہ میں پیشاب کر دیا جائے، سورج چڑھنے تک اس کی حالت اس قدر خراب ہو رہی تھی کہ پولیس، اسے عدالت میں پیش کرنے سے ہچکچا رہی تھی، وہاں سے اُسے دیا لیکیال پولیس حوالات میں لایا گیا اور اس کے بعد دیوانگیر میں، کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ایک کال کوٹھڑی میں اسے بند کر دیا گیا۔ اسے کہا گیا کہ اگر اس نے مجسٹریٹ کے سامنے پولیس کی اذیت رسانی کے بارے میں لب کشائی کی تو اس کے تمام خاندان سے بھی یہی سلوک کیا جائیگا۔

لارنس کی نازک حالت سے پریشان ہو کر پولیس اسے دوبارہ بنگلور لے آئی، جہاں اسے ایک ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ اسے ایکس رے کی ضرورت تھی لیکن پولیس نے اس کی اجازت نہ دی، اس کے بجائے پولیس نے اسے نشہ آور ادویات کھلانی شروع کر دیں، جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ لارنس کو تین دن تک شدید پیچش میں مبتلا رہنا پڑا۔ اس کے بعد اسے ایک بار پھر دوائیں کھلائیں گئیں اور ایک مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے کے بعد بنگلور کی سنٹرل جیل کی بدبودار کال کوٹھڑی میں دوبارہ بند کر دیا گیا ... اِس جیل میں، دیگر قیدیوں کے علاوہ،

لارنس کا بھائی مائیکل بھی تھا جسے پانچ ماہ پہلے گرفتار کیا گیا تھا لیکن دونوں کو آپس میں ملنے کی اجازت نہ دی گئی۔ اس کے بعد لارنس نے دو دن کے لیے بھوک ہڑتال کر دی اور بہتر جگہ کا مطالبہ کیا لیکن جب اس کی یہ مصیبت آخر کار ختم ہوئی تو وہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، اس کا وزن بیس سیر سے زیادہ کم ہو چکا تھا۔

۲۴ مئی ۱۹۷۶ء کو، مسز فرنانڈیس، لارنس کی ماں نے صدرِ بھارت کو ایک خط لکھا اور اپنی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے کہا :۔

"میں ساٹھ سال کی بوڑھی عورت ہوں، جبکہ میرا بہتر سالہ خاوند دل کا مریض ہے، میرا تیسرا بیٹا دسمبر ۱۹۷۵ء سے میسا کے تحت گرفتار ہے۔

"یکم مئی، ہفتہ کے روز چھ بجے شام، میرے چوالیس سالہ، دوسرے بیٹے لارنس فرنانڈیس کو پولیس گھر سے پکڑ کر لے گئی، پولیس اس سے میرے بڑے بیٹے جارج کے بارے میں سوال کرتی رہی۔ اس کے بعد اسے انتہائی غیر انسانی، بہیمانہ اور بے رحمانہ انداز میں جسمانی اذیت پہنچائی گئی، لاٹھیوں سے مارنے کے علاوہ حتیٰ کہ پانچ لاٹھیاں ٹوٹ گئیں) انہوں نے بڑ کے درخت کی جڑ اسے پیٹنے کے لئے استعمال کی اور اسے جوتوں اور گھونسوں سے بھی مارا، انہوں نے دھمکی دی کہ اگر اس نے جارج فرنانڈیس کے ٹھکانے سے انہیں آگاہ نہ کیا تو اسے ریلوے لائن پر ڈال کر کسی چلتی ٹرین کے نیچے ہلاک کر دیا جائے گا اور اس طرح پولیس کے ہاتھوں اس کی موت کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے گا۔ اس طرح، طرح طرح کی شدید عقوبتوں کے بعد اسے جسمانی اور اعصابی طور پر ناکارہ بنانے کے بعد انتہائی غلیظ حالات میں بیس مئی تک اسے مختلف حوالاتوں میں قید تنہائی میں مبتلا رکھا گیا۔ اسی عرصے میں اس سے پوچھ گچھ اور اذیت رسانی کا سلسلہ جاری رہا۔ متواتر تین روز تک اُسے کھانے پینے سے محروم رکھا گیا اور باقی ایام میں اسے نہ تو مناسب غذا دی اور نہ سگریٹ فراہم کئے گئے۔ ان بیس دنوں میں اسے صرف تین دفعہ نہانے کی اجازت دی گئی اور گرفتاری کے پہلے دن والے کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا پہننے کو نہ دیا گیا۔ اس غیر انسانی سلوک کی بنا پر وہ ہوش کھو بیٹھا۔ اسے مختلف ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کی طرف لے جایا جاتا رہا اور ہر مرتبہ اس کا غلط نام بتایا جاتا، اسے ایک پولیس افسر ظاہر کیا جاتا تاکہ اُسے زندہ رکھا جائے۔

میرے بیٹے لارنس کے ٹھکانے کے بارے میں ہمیں بے خبر رکھا گیا۔ بیس مئی کو

جب ایک وکیل کے ذریعے مجھے اطلاع ملی تو میں اس وکیل کے ساتھ جیل میں گئی۔ لیکن مجھے اپنے بیٹے سے ملاقات کی اجازت نہ دی گئی۔

۱۲۔ تاریخ کو، تین گھنٹوں سے زیادہ انتظار کے بعد، مجھے ایک کال کوٹھڑی کی طرف لے جایا گیا۔ لیکن وکیل کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی حالت مُردوں کی طرح ہو رہی تھی، اس میں چلنے کی سکت نہ تھی، دو آدمی اسے سہارے سے اٹھاتے اور تب بھی وہ کرب اور دکھ کے ساتھ لنگڑاتے ہوئے چلتا تھا۔ اس کی بائیں جانب مفلوج کر دی گئی اور وہ بات کرتے ہوئے ہکلاتا ہے۔"

"کیا میرے ان دونوں بیٹوں کو جارج فرنانڈیس کے بدلے حراست میں رکھا جا رہا ہے، جس کے ٹھکانے کے متعلق میرا تمام خاندان کوئی علم نہیں رکھتا؟ کیا یہ بات اخلاقی طور پر درست ہے کہ میرے تمام خاندان کو، اپنے ایک بیٹے جارج فرنانڈیس کے سیاسی خیالات کی بنا پر ہراساں، پریشان اور مبتلائے اذیت کیا جائے؟..."

لیکن ایک ماں کی اس درد بھری فریاد کا بھی کوئی اثر پیدا نہ ہوا، اس اثنا میں سیاستدانوں کے علاوہ طالب علم رہنماؤں کی گرفتاریاں بھی جاری رہیں، سب سے زیادہ دہلی یونیورسٹی کے طلبا کی قیادت کو پریشان کیا گیا، حتیٰ کہ اساتذہ کو بھی معاف نہ کیا گیا۔

پولیس تشدد کا پہلا نشانہ، دہلی یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کا صدر ارون جیٹلے تھا۔ اس کی تلاش میں پولیس جب اس کے گھر پہنچی تو جیٹلے وہاں نہ تھا، جیٹلے کے وکیل باپ نے کسی وارنٹ کے بغیر گھر کی تلاشی دینے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن، ارون جیٹلے نے ایمرجنسی اور خصوصاً جے پرکاش کی نظر بندی کے خلاف ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کی، اس کے ساتھ ہی اسے میسا کے کالے قانون کے تحت گرفتار کر کے تہاڑ جیل میں پھینک دیا گیا۔ نہ داد، نہ فریاد... کئی دن تک پولیس، ہر دلعزیز سٹوڈنٹ لیڈر رہمنت وشنو کی تلاش میں چھاپے مارتی رہی، جب ایمرجنسی کا اعلان ہوا تو ہمنت وشنو، دہلی سے باہر، روہتک کے مقام پر ایک تربیتی کیمپ میں تھا، جیسے ہی اسے دہلی میں گرفتاریوں کی خبر ملی وہ روپوش ہو گیا، چند روز تک خاموش رہنے کے بعد اس نے دوسرے روپوش رہنماؤں سے رابطہ پیدا کیا، اب وہ زیر زمین رہ کر کام کرنے لگے۔ اس اثنا میں پولیس کو کسی طرح ان کی خفیہ سرگرمیوں اور ٹھکانے کا علم ہو گیا اور چھاپہ مار کر تین لیڈروں

کو پکڑ لیا جن میں اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشاد کا جنرل سیکرٹیری آر کے بھاٹیہ شامل تھا، ہمنت وشنو پنج نکلا۔ اِن اسیروں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ بھاٹیہ کو اڑتیس گھنٹوں کے لیئے لگاتار کھڑا رہنے پر مجبور کیا گیا۔ اس عرصے میں یونیورسٹی میں دوبارہ احتجاج ہوا اور پولیس مزید پچاس طلبا کو گرفتار کر کے لے گئی۔ ۲۵ اور ۲۶ جولائی ۱۹۷۵ء کو یونیورسٹی کیمپس پر پولیس نے وسیع پیمانے پر حملہ کیا اور دو سو افراد کو پکڑ لیا، اِن میں ایک سو پچیس لیکچرار تھے، دہلی یونیورسٹی ٹیچرز ایسوسی ایشن کے صدر جناب اوم پرکاش کوہلی پر بے پناہ تشدّد کیا گیا۔ پولیو کے حملے کی وجہ سے اس کی ایک ٹانگ پہلے ہی کمزور تھی، جس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلتا تھا، اب اُسے لگاتار چوبیس گھنٹے تک کھڑا رہنے پر مجبور کیا گیا، کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اُسے لاتوں اور مکّوں سے دھکے دیئے گئے، ایک اور لیکچرار، گنیش شنکر پالیوال کو پولیس کی منتظر گاڑی میں بٹھا کر کسی نامعلوم مقام کی طرف لے جایا گیا، اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے "ابو، ابو" ہی پکارتے رہتے۔

آتما رام، ایس، ڈی کالج یونین کے سیکرٹری مدن بھاٹیہ سے بے حد وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ اسے غیر قانونی پمفلٹ رکھنے کے الزام میں گرفتار کرنے کے بعد اس کے والدین اور بہن بھائیوں کے سامنے ننگا کر کے پیٹا گیا۔ اس کے بعد اُسے کنٹونمنٹ پولیس سٹیشن لے جایا گیا اور ایک غلیظ کوٹھڑی کے اندر ڈال دیا گیا۔ ایک جلتی ہوئی موم بتی اس کے رونگٹوں پر رکھی گئی اور ہر قسم کا تشدّد روا رکھا گیا۔

ہمنت کار وشنو کی گرفتاری پندرہ اکتوبر کو عمل میں آئی، کسی طرح پولیس کو اس کے ٹھکانے کا علم ہو گیا تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی پولیس نے پوچھ گچھ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ روپوشی کے ایام میں اس کی مدد کس نے کی تھی۔ لیکن اس نے اپنے محسنوں کے نام ظاہر کرنے سے انکار کر دیا، مایوس ہو کر، پولیس کے دو کانسٹیبل اس پر پل پڑے، اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ضربیں لگائی گئیں اس پر بھی جب ہمنت نے حوصلہ نہ ہارا تو پولیس نے تشدّد میں اضافہ کر دیا۔ اب اسے چت لٹا دیا گیا اور اس کی دونوں ٹانگیں کھڑی کر دی گئیں۔ دو سپاہی، لاٹھیوں کے ساتھ اس کے پاؤں کے تلوے پیٹنے لگے، اس کے بعد اُسے الف ننگا کر کے پیٹ کے بل زمین پر لٹایا گیا اور اس شرمناک حالت میں ربڑ کے ٹائروں کے ٹکڑوں کے ساتھ اسے مسلسل پیٹا گیا، اس پر بھی ہمنت نے

کچھ بتانے سے انکار کر دیا تو اس کے پاؤں کو گردن کے ساتھ باندھ کر ایک بانس کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ اب اُسے معلق حالت میں بانس کے ساتھ لٹو کی طرح گھمایا گیا، اس پر بھی جب لڑکے نے ہمت نہ ہاری تو پولیس نے تشدد کا ایک اور حربہ استعمال کیا، اب اُسے الٹا لٹکا دیا گیا اور اس کے اوپر یخ بستہ پانی انڈیلا گیا۔ اس طرح اس کے لئے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ آخر کار پولیس نے آخری ظالمانہ طریقہ استعمال کیا اور نوجوان طالب علم کے نتھنوں میں ایسا پانی داخل کیا گیا جس میں پسی ہوئی سرخ مرچیں گھلی ہوئیں تھیں، ہمنت کمار بے ہوش ہو گیا، دوسرے دن جب اُسے ہوش آیا تو اس کے جسم کے ہر حصے سے خون رس رہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمرجنسی کے دوران، اسیروں پر ایسے ظلم ڈھائے گئے کہ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ظلم و جبر کی یہ مثالیں، ہلاکو، چنگیز، ہٹلر اور سٹالن کے ہتھکنڈوں کو مات کر گئیں۔ عام طور پر جیل میں قیدیوں کے ساتھ اذیت کے مندرجہ ذیل طریقے استعمال کئے جاتے تھے:-

(۱)۔ قیدی کو بالکل ننگا کر کے اس کے جسم پر بھاری ایڑی کے بوٹوں کے ساتھ سوار ہو کر ناچنا، ایڑی کے کیل بے گنا قیدی کے جسم میں پیوست ہو جاتے تھے۔

(۲)۔ انسانی پاؤں کے تلوے بہت نازک ہوتے ہیں، عام طور پر کچھ اگلوانے کے لئے پولیس، قیدی کے پاؤں کے تلوؤں کو نشانہ بناتی تھی یا اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ضربیں لگاتی تھی۔

(۳)۔ رائفل کے بٹ سے قیدی کے جسم پر ضربیں لگائی جاتی تھیں، ایک اور طریقہ یہ اختیار کیا جاتا تھا کہ قیدی کو دونوں گھٹنوں میں سے بانس گزارا جاتا تھا، اس بانس کو ہر دو طرف بیٹھے ہوئے سپاہی گھماتے تھے جس سے قیدی کی جلد پھٹ جاتی۔

(۴)۔ اذیت کا ایک عام حربہ قیدی کے کانوں پر زور سے گھونسہ لگانا تھا، اس سے قیدی فوراً بے ہوش ہو جاتا اور اس کی قوتِ سماعت کو شدید نقصان پہنچتا تھا۔

(۵)۔ بعض قیدیوں کو لگاتار برف کی سلوں پر ننگے بدن لیٹنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

(۶)۔ قیدی کے جسم کے نازک حصوں پر بجلی کے تاروں سے جھٹکے لگانا پولیس کا معمول تھا۔

(۷)۔ بعض اوقات جلتے سگرٹوں یا موم بتیوں سے قیدی کا جسم داغا جاتا تھا۔

وفد گاندھی سے خفیہ مذاکرات کے لئے آیا اس وفد میں ظاہری طور پر پروفیسر تھے جو دراصل یہودی فوجی اور خفیہ جاسوس تنظیم کے نمائندے تھے الغرض اس طرح کئی تاریخی مثالیں موجود ہیں۔

بھارت پہلا ملک ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا۔ ۱۹۵۰ء میں بھارت میں اسرائیلی سفارت خانہ قائم ہوا۔ ۱۹۶۲ء میں اسرائیل اور بھارت کے درمیان ایٹمی میدان میں تعاون کا معاہدہ ہوا۔ اور اسرائیلی ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین برگمان نے اس معاہدے پر دستخط کئے۔

۱۹۶۳ء میں اسرائیل کے جنرل شالیٹکل نے بھارت کے ساتھ فوجی معاہدہ کیا اور ساتھ ہی خفیہ مذاکرات اور معاہدے طے پائے اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد بھارت کا کرنل ایم۔ ایم سندھی اسرائیل کے خفیہ دورے پر گیا اور اسرائیل سے ۱۹۰۹۹ مارٹر بم اور ۵۰ بھاری مارٹر توپیں بھارت نے خریدیں۔ ۱۹۶۲ء میں بھارت نے چین کے خلاف استعمال ہونے والا اسلحہ اسرائیل سے خریدا۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۴ء تک بھارت اسرائیل سے دس کروڑ ڈالر سے زائد کا فوجی ساز و سامان خرید چکا تھا۔ ۱۹۶۷ء میں بھارتی فضائیہ نے اسرائیل کے ساتھ مل کر مصر کی ہوائی فوج کو شکست دی۔

دراصل جو بھارتی افسر مصری پائلٹوں کو فضائی تربیت دینے پر مامور تھے مصر کی شکست میں ان کا بھی بڑا ہاتھ اور عمل دخل تھا۔ اگر مصر اس وقت بجائے بھارت کے کسی دوسرے مسلم ملک سے تربیتی عملہ حاصل کرتا تو لازمی طور پر مصر کو فتح ہوتی۔

جس طرح یہودیوں نے جنگِ عظیم دوم سے پہلے اور اس کے دوران امریکہ اور یورپی ممالک میں مشنری جذبے کے تحت خفیہ تنظیمیں قائم کر کے جاسوسی جال پھیلا دیئے تھے۔ اور یورپ اور امریکہ کے صنعتی، فوجی اور

(۸)۔ قیدی کو سونے سے باز رکھنا اور آب و دانہ سے محروم کرنا بھی ایک طریقہ عقوبت تھا۔

(۹)۔ قیدیوں کو اپنا پیشاب پینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

(۱۰) قیدی کی کلائیوں سے رسی باندھ کر اسے لٹکا دیا جاتا تھا حتیٰ کہ اس کے جسمانی جوڑ بدشکل اور متورم ہو جاتے۔

(۱۱) قیدی کو دست بہ پشت بستہ ہوا میں معلق رکھا جاتا۔

(۱۲) قیدی کی انگلیاں کرسی کی ٹانگوں کے نیچے رکھ کر دبائی جاتیں، کرسی پر بھاری جسم کا سپاہی بٹھایا جاتا تھا۔

(۱۳)۔ یخ بستہ راتوں کو قیدیوں کو ننگے بدن کھڑے رہنے پر مجبور کیا جاتا اور اس دوران اس کے جسم پر ٹھنڈے پانی کی بالٹیاں ڈالی جاتیں۔

(۱۴)۔ قیدی کی گردن دبوچ کر اس کا گلا دونوں ہاتھوں سے بار بار اس طرح دبایا جاتا کہ وہ کئی روز تک کوئی چیز نگلنے کے قابل نہ رہتا۔

(۱۵)۔ قیدی کے ساتھ ظلم کا ایک انتہائی مکروہ طریقہ وہ تھا جس میں اُسے ننگا کر کے اس کے کپڑے اس کے منہ میں ٹھونس دیئے جاتے، اس کے بعد اُسے ایک بنچ سے باندھ کر سر کو ایک طرف لٹکا دیا جاتا، تب ایک لمبا اور بھاری ڈنڈا اس کی ٹانگوں پر رکھ دیا جاتا اور دو پولیس والے اس پر بیٹھ جاتے، یہ ڈنڈا قیدی کی ٹانگوں پر پھیرا جاتا اور اس عمل میں اس کی ہڈیاں اور جلد ٹوٹ پھوٹ جاتی۔

ظلم وجور کی ایک انوکھی مثال ملاحظہ ہو:- ایک مرتبہ، ایمرجنسی کے دوران دیواس میں آٹھ مظاہرین کو گرفتار کر لیا گیا، حوالات میں داخل کرنے کے بعد پولیس نے ان کے کپڑے اتار دیئے اور ان کے ہاتھوں اور ٹانگوں کو باندھ کر ان کے درمیان ڈنڈے گھیڑ دیے گئے۔ اس سے بھی پولیس کی تسلی نہ ہوئی، اُنہیں ایک دوسرے کے ساتھ قوم لوط کے فعل اور ایک دوسرے کے پوشیدہ اعضاء چاٹنے پر مجبور کیا گیا، اس دوران پولیس، اس "دلچسپ تماشے" کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتی رہی، صرف اسی پہ اکتفا نہ کیا گیا، پولیس نے قیدیوں کو دھمکی دی کہ وہ انہیں اپنی بیٹیوں کے ساتھ ایسے فعل حرام کرنے پر مجبور کر دیں گے۔

روپوش لوگوں کے خاندان کے لوگوں پر اس لئے ظلم کیا جاتا تھا کہ کسی طرح ان سے ان کے روپوش

عزیزوں سے بارے میں راز اگلوائے جاسکیں، سات سال کی ایک معصوم بچی کو پولیس نے اس لئے حراست میں لے لیا کہ اس کی روپوش ماں کو رضاکارانہ گرفتاری پر مجبور کیا جاسکے، یہ بچی معذور تھی جب آخرکار اس کی ماں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا تب بھی بچی کو رہا نہ کیا گیا۔

پولیس بربریت کی مشہور مثال "سنہلتا ریڈی" کے ساتھ سلوک ہے، سنہلتا ریڈی، ہندوستان فلم انڈسٹری کی مشہور اسٹار اور "سمسکار" فلم کی ہیروئن تھی، سیاسی اختلاف کی بناء پر اسے گرفتار کر لیا گیا، اس کے ننھے منے بیٹے، کونارک کو پولیس، زبردستی چھین لے گئی تاکہ اس کی ماں سے جارج فرنانڈیس کے بارے میں معلومات اگلوائی جاسکیں، اس کے عمر رسیدہ باپ کو رات بھر جاگنے پر مجبور کیا گیا، سنہلتا کو. میسا کے تحت گرفتار کر کے جیل کی سی کلاس دی گئی جو اخلاقی مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ مسلسل آٹھ ماہ تک پولیس، اس کے ساتھ غیرانسانی سلوک کرتی رہی، حالت زیادہ بگڑ گئی تو اُسے رہا کر دیا گیا . . . اور وہ رہائی کے پانچ دن بعد مرگئی،

سنہلتا نے قید کے دوران ایک دن اپنی ڈائری میں لکھا۔

" میں مسلسل پوچھتی رہی کہ وہ لوگ (گھر والے) کیوں نہیں آتے لیکن کوئی جواب نہ ملتا، میں انتظار کرتی رہی، کرتی رہی، ڈاکٹر آیا اور دیکھا میری حالت بہت خراب ہے لیکن کچھ نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ سپرنٹنڈنٹ نے میرے ساتھ ملنے والوں کا داخلہ بند کر دیا تھا، کیونکہ میں نے آئی جی کے سامنے اس کی ہتک کی تھی، جابلانی (جیل سپرنٹنڈنٹ) انتہائی گھٹیا اور اذیت پسند شخص ہے، وہ بزدل اور جھوٹا بھی ہے، میرا کبھی ایسے کسی شخص سے پالا نہیں پڑا۔ وہ بدتمیز، جاہل اور شیطان ہے۔ یہ سخت الفاظ ہیں۔ مگر صحیح ہیں، اس کی وجہ سے مجھے اندھیروں اور خالی دیواروں کی طرف چلنا پڑا، جہاں سے آگے بڑھنا ناممکن تھا، جہاں خیالات کا دم گھٹتا تھا، میں بے بس ہوگئی تھی، . . . دانستہ تغافل . . . میں یہیں مرجاؤں گی، آہستہ آہستہ ماضی کے بھولے ہوئے نغمے کی طرح . . .

یہ لوگ مجھے سرعام ہلاک ہونے پر کیوں مجبور کر رہے ہیں؟"

اندرا گاندھی نے ہمیشہ یہ دعویٰ کیا کہ وہ سوشلزم اور سیکولرازم کو ہندوستان کی فلاح کے لئے ضروری سمجھتی ہے، روس نواز کمیونسٹ پارٹی، عام طور پر کانگرس کا ساتھ دیتی رہی ہے لیکن ایمرجنسی میں جو سلوک بائیں بازو کے رہنماؤں سے ہوا وہ انتہائی دردناک کہانی ہے، نکسل باڑی تحریک کے حامیوں کو چن چن کر ہلاک کیا گیا، آندھرا پردیش میں اس تحریک کے حامی پچاس طلبا کو

میسا اور ڈی آئی آر کے تحت گرفتار کیا گیا ، طلبا کی ایسی تمام انجمنوں پر پابندی لگادی گئی جو مارکسسٹ لینسٹ پارٹی کی حامی تھیں ، عثمانیہ یونیورسٹی میں پروگریسو ڈیموکریٹک سٹوڈینٹس یونین کے مقبول لیڈر جیپال چندر شیکھر پرشاد کو گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور طالبعلم رہنما ، شری نیلم رام چندر یاہ کو بھی پکڑ لیا گیا ، انہیں دھمکی دی گئی کہ وہ اپنی زیر زمین سرگرمیوں کی تفصیل بتادیں ورنہ انہیں جنگل میں لے جا کر گولی کا نشانہ بنادیا جائے گا ، ناکام ہو کر پولیس انہیں اندھیرا پردیش کے ضلع کھمام کے جنگلوں میں لے گئی اور درختوں کے ساتھ باندھ کر پہلے تو رائفل کے بٹ سے پٹائی کی ، اس پر بھی دونوں نے کچھ نہ بتایا تو انہیں گولی مار دی گئی اور نعشوں کو جلا دیا گیا ، متعدد دوسرے طالب علم رہنماؤں کو بھی اس دہشت انگیز طریقے سے ہلاک کیا گیا۔ جیالوجی کے طالب علم بی ۔ پردیپ کمار کو اس قدر مارا گیا کہ اس کی ہڈیاں باہر نکل آئیں ۔ اسے بالوں سے پکڑ کر کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھینچا جاتا تھا ۔ ایک اور طالب علم موہن راج دمہ کا مریض تھا لیکن اسے ایسی جگہ رکھا گیا جہاں سیلن تھی اور ہوا کا گزر تک نہ تھا ۔

عورتیں بھی ظلم سے محفوظ نہ رہیں ، سنہلتا ریڈی کی دردبھری کہانی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ، پروگریسو آرگنائزیشن فار ویمن کی صدر مس کے للیتا کو حیدر آباد اور گنتر کے درمیان گرفتار کر لیا گیا ، اسے نومبر ۱۹۷۵ء کو گرفتار کیا گیا اور پندرہ روز تک متواتر حوالات میں پوچھ گچھ کے لئے قید رکھا گیا ۔ جب اس نے بولنے سے انکار کر دیا تو ایس ، پی نے اس کے منہ پر طمانچہ رسید کیا اور سپاہیوں نے اُس کی پُشت پر ڈنڈوں سے ضربیں لگائیں اور بھاری بوٹوں سے کبھی اِدھر کبھی اُدھر ٹھوکریں مارتے رہے ۔ اکثر ممتاز خواتین کو ایسے کمروں میں رکھا گیا ۔ جہاں پہلے سے ہی چور ، بدقماش اور دیوانی عورتیں قید ہوتی تھیں ۔ بالکل اسی طرح بھارت میں بھی ، دو جیلیں ، قیدیوں پر ظلم و جبر کرنے کی رو سے ، بہت مشہور ہیں ۔ ایک حصار جیل دوسری تہاڑ جیل ۔

ایمرجنسی کے دوران بیشتر سیاسی کارکنوں کو انہی دو جیلوں میں رکھا گیا ۔ مشرقی پنجاب کے مشہور سیاسی لیڈر ، پرکاش سنگھ بادل کو تہاڑ جیل میں رکھا گیا تھا ۔ ان دو مشہور جیلوں کے علاوہ ، ہریانہ اور اتر پردیش میں انتہائی غلیظ اور پرانے وقتوں کی یادگار جیلیں پائی جاتی ہیں ، ہریانہ ، وزیر دفاع ، بنسی لال کی ریاست تھی ، وہ ہمیشہ اندرا گاندھی سے کہا کرتا تھا ،" آپ اپوزیشن کو میرے سپرد کر دیں ، میں اس سے نمٹ لوں گا " ہریانہ کی بعض جیلوں میں تنگ و تاریک کمرے تھے ، جہاں روشنی کا انتظام تو درکنار روشن دان تک نہیں ہوتے تھے ، اِن جیلوں میں کیڑے رینگتے تھے اور خون چوسنے والے مچھر پلتے

تھے ، بعض جگہ قیدیوں کو جان بوجھ کر ایسے مریضوں کے ساتھ رکھا گیا ، جو کسی چھوت کی بیماری میں مبتلا ہوتے تھے ، مسز مرنیل کو کوڑھ میں مبتلا مریضوں کے ہمراہ بند کیا گیا تھا - ، بھارت کے دار الحکومت دہلی کے لال قلعہ میں بھی ایک عقوبت خانہ پایا جاتا ہے ، جہاں عام طور پر انتہائی بھیانک جرائم کے مرتکب افراد کو پوچھ گچھ کے لئے قید کیا جاتا ہے - ایمرجنسی کے دنوں میں لال قلعہ کے عقوبت خانہ میں بھی متعدد سیاسی کارکنوں کو اذیت کا نشانہ بنایا گیا ، اس عقوبت خانے کے " مہمانوں " میں بھارت کے موجودہ مرکزی وزیر اور اس زمانے میں ، اندرا گاندھی کے سب سے بڑے دشمن ، جارج فرنانڈیس بھی شامل تھے ۔ انہیں ایک مدت کی روپوشی کے بعد ، آخر کار جون ۱۹۷۶ء میں گرفتار کر لیا گیا ، گرفتاری کے بعد انہیں ، لال قلعہ کے عقوبت خانے میں بند کر دیا گیا ، جہاں شدید گرمی اور حبس کے باوجود نہ نہانے کی اجازت تھی نہ اپنے ماتھے سے رومال کے ساتھ پسینہ پونچھنے کی اجازت ، بعد میں انہیں حصار کی بدنام جیل میں قید رکھا گیا ۔

ایک سیاسی قیدی کے متعلق معلوم ہوا کہ پولیس نے ظلم کی تمام حدود کو پار کرتے ہوئے لال مرچوں کا سفوف اس کی مقعد میں ٹھونس دیا ، وہ شخص ابھی تک اذیت سے دوچار ہے اور اسے مقعد کا کینسر ہو چکا ہے ، ایک جیل میں تو اس سے بھی زیادہ انسانیت سوز حرکت کی گئی ، دو بھائی بہنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ فعلِ حرام کرنے پر مجبور کیا گیا ۔ بعض قید خانوں میں قیدیوں کو بالوں کے ساتھ باندھ کر کمرے کی چھت سے لٹکایا جاتا تھا ، بعض کے زندہ ناخن اکھیڑے جاتے تھے ۔

ظلم و بربریت ، صرف قیدیوں اور اسیروں تک ہی محدود نہ تھی ، ایمرجنسی کے دوران بھارت کے طول و عرض میں ظلم و ستم کی آندھی چل رہی تھی ، انتقامی کارروائیاں شدت اختیار کر گئی تھیں ، انتقامی کارروائیوں کی ایک مثال ریواسا کا واقعہ ہے جسے ہفت روزہ عوام نئی دہلی نے شائع کیا ۔

اس سنسنی خیز کیس کا تاریک ترین پہلو یہ ہے کہ اقتدار کے نشے میں چور بنسی لال اور ان کے " ہونہار " صاحبزادے سریندر سنگھ نے ذاتی انتقام کے لئے ریواسا کے ایک باعزت اور خوشحال گھرانے کو تباہ کرنے کے لئے اپنی سرکاری پوزیشن کا ناجائز استعمال کیا . . . . ریواسا ، بھوانی سے تقریباً ۲۲ کلو میٹر دور ہے ، یہاں کے راجپوت کپتان منگل سنگھ نے بتایا کہ یہاں ہونے والے ظلم و ستم کی شکایت ۱۹ افراد پر مشتمل ایک وفد نے دلّی جا کر شریمتی اندرا جی سے کی تھی مگر اس شکایت کا نتیجہ یہ نکلا کہ گاؤں والوں پر ظلم و ستم اور بھی بڑھ گیا ، اس وفد میں مجاہدین آزادی کی

بیوائیں اور ان کی مائیں بھی شامل تھیں، ..... اس کیس کی سب سے اہم شخصیت بھنور سنگھ جو نوجوان لیڈر تھا، سنے بتایا کہ میں ۱۹۷۴ء میں شیبہ کالج بھوانی میں پڑھتا تھا اور میرے چاتر سنگھ میں حصہ لینے پر شری بنسی لال کے بیٹے سریندر سنگھ نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے پولیس کو ہدایت دے دی تھی مگر میں کسی نہ کسی طرح بچ گیا اور فرار ہو گیا مگر میری عدم موجودگی میں پولیس نے ۱۳ مارچ کو میری ماں ۴۴ سالہ شریمتی دیوی سے میرے بارے میں پوچھا، میری عدم موجودگی پر اسے گندی گالیاں دی گئیں اور دھمکی دی گئی کہ تیرے بیٹے کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس نے وزیر اعلیٰ کی مخالفت کی ہمت کیسے کی۔

بھنور سنگھ کی ماں نے بتایا کہ میں جب اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے بھوانی گئی تو مجھے اور میرے بھائی کی لاتوں اور گھونسوں سے تواضع کی گئی اور ہم دونوں کو ننگا کر کے حوالات میں بند کر دیا گیا، میرے رونے چلانے اور بھائی کی منتیں کرنے کا ان ظالموں پر کوئی اثر نہ ہوا اور ہمیں اس شرمناک حالت میں حوالات میں رکھا گیا، ... دوسرے دن میرا بڑا بھائی دلیپ سنگھ جب تھانے آیا تو اُسے بھی بری طرح مار پیٹ کی گئی اور تھانے میں ہی بند کر دیا گیا۔ اُس کی مونچھیں اکھاڑنے کی کوشش بھی کی گئی اور وہ بے چارہ درد سے چلاتا رہا۔

بھنور کی ۸۲ سالہ نانی رام جوت کو پولیس نے ۲ اپریل کو آدبوچا اور آتے ہی مکان کے کواڑ توڑ کر گھر کا تمام سامان بکھیر دیا اور توڑ دیا جس پر اس کی نانی نے احتجاج کیا اور اس کا جواب پولیس نے لاتوں اور تھپڑوں سے دیا اور ایک زور دار لات سینے پر پڑنے سے وہ وہیں دم توڑ گئی، اس لاش کو تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی اور پولیس نے چلانا شروع کر دیا کہ بڑھیا نے خودکشی کر لی ہے، دوسری طرف پولیس کے گھوڑ سواروں نے بھنور سنگھ اور اس کے ماما کی تمام کھیتی برباد کر دی .... رواسا میں چاتر سنگھرش سمتی کے صدر ٹھاکر بیر سنگھ کو بھی بنسی لال اور اس کے بیٹے نے اپنے انتقام کا نشانہ بنایا اور اس کی تمام فصل تباہ کر کے لگ بھگ ایک کروڑ روپیہ کی زمین ریکوائر کی گئی، اس سے پہلے اس کے تمام خاندان کو میسا کے تحت نظر بند کر دیا گیا تھا۔"

ایمرجنسی کے دوران ہزاروں مکانات گرائے گئے، لاکھوں کو بے گھر کیا گیا اور ہزاروں عورتوں کی عصمت لوٹ لی گئی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بھارت پر غنڈے اور پولیس مل کر حکومت کر رہے ہیں۔ جب مسز اندرا گاندھی کو پولیس اور سنجے کی زیادتیوں کی کہانی سنائی جاتی تو وہ 'اچھا' کہہ کر خاموش ہو جاتی،

اس کے تیور بالکل ہی بدل چکے تھے، انتقامی کارروائیوں کی انتہا یہ تھی کہ اندرا گاندھی کے ذمہ دار ساتھی پی، این ہکسر تک کو معاف نہ کیا گیا، سنجے کو ہکسر کی کوئی بات ایک مرتبہ ناگوار گزری۔ دہلی میں تمام چھوٹے بڑے دکانداروں سے کہا گیا کہ وہ ہر سودے پر اس کی قیمت درج کریں، مسٹر ہکسر کے چچا کی دکان میں ایک تولیے پر قیمت نہیں لکھی تھی، پولیس نے ۸۰ سالہ پنڈت کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا اور بالآخر مسز ارونا آصف علی کی سفارش پر تین دن بعد انہیں چھوڑا گیا۔ یہ وہی ہکسر تھے جنہوں نے ایمرجنسی کے اعلان کا مسودہ تیار کیا تھا ... کانگرسی لیڈروں نے حالات کا رخ دیکھ کر ایک اور پیشہ اپنایا، وہ پہلے تو بڑے بڑے تاجروں اور دولتمند افراد کو میسا کے تحت گرفتار کراتے تھے اور پھر ان سے بھاری رشوت کے بدلے سفارش کر کے ان کو رہا کرا لیا کرتے تھے، اس کاروبار میں سنجے اور بنسی لال بھی پیچھے نہ تھے۔

دہلی میں ایک ادارہ ہے جسے دہلی ڈویلپمنٹ اتھارٹی یا ڈی ڈی اے کہا جاتا ہے، جیسے ہمارے ہاں پاکستان میں کے ڈی اے اور ایل ڈی اے وغیرہ ہیں، سنجے نے دہلی کو "خوبصورت" بنانے کی مہم شروع کی تو اس مہم کا نگران ڈی ڈی اے کو مقرر کیا، سنجے نے پوری توجہ ایسے علاقوں کی طرف مبذول کی جو پرانی دہلی میں واقع ہیں اور جہاں عام طور پر مسلمان رہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ دہلی کئی دفعہ اجڑی اور کئی دفعہ پھر آباد ہوئی، اسے افغانوں نے بھی اجاڑا اور انگریز نے بھی لیکن جس طرح سنجے نے اسے اجاڑا اس کی المناک داستان دہلی کی تاریخ کا ایک خونیں باب بن کر رہ گئی ہے۔

دہلی کو خوبصورت بنانے کے بہانے مسلمانوں کو سزا دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، ہفت روزہ عوام کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"دہلی کے تمام خوانچہ والوں کو نکال دیا گیا، سڑک کے کنارے دکان لگانے والوں کے چالان ہونے لگے، پوری پوری بازاریں منہدم کر دی گئیں، وہاں کے دکانداروں سے کہا گیا کہ وہ شہر سے باہر جا کر اپنی نئی بازار بنا لیں۔ جامع مسجد کے دکاندار سب سے زیادہ پریشان ہوئے تھے، انہوں نے محکمۂ اطلاعات کے ایک ملازم اندر موہن کو اپنا نمائندہ بنا کر سنجے کے پاس بھیجا۔ وہاں اندر کو ناکامی ہوئی اسی شام گیارہ پولیس کانسٹیبل اندر موہن کے مکان میں گھس گئے۔ اس کی پٹائی کی اور اس کو حوالات میں بند کر دیا، تین دن بعد بڑی مشکل سے اس کی رہائی ہوئی، پولیس افسروں نے کہا کہ ہمیں اوپر سے حکم ملا تھا۔"

کہا جاتا ہے کہ جامع مسجد دہلی نے ایسی بربادی ۱۸۵۷ء کے غدر میں بھی نہیں دیکھی تھی جب انگریزوں نے مغلوں کی یادگار اس عظیم الشان مسجد کو نیلام کر دینے کا فیصلہ کیا تھا، صرف چھ گھنٹے میں ہزاروں دکانیں مسمار کر دی گئیں، جامع مسجد کی پشت پر واقع پختہ دکانیں گرا کر زمین برباد کر دی گئیں۔ پورے کا پورا بازار ختم کر دیا گیا، اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہنے دیا گیا، ہزاروں مسلمانوں کو بے روزگار اور محتاج کر دیا گیا۔ جامع مسجد کے سامنے بلڈوزر چلا کر علاقے کو ایک وسیع میدان میں بدل دیا گیا، ظلم کی انتہا یہ تھی کہ جامع مسجد کے قبرستان کی دیواریں تک بھی گرا دی گئیں، ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کسی اجنبی ملک کی فوج نے دہلی کے اس علاقے پر حملہ کر دیا ہو۔

جامع مسجد کے علاقے کی تباہی کے بعد ترکمان گیٹ کی باری آئی، یہاں بھی مسلمان آباد تھے لوگوں کو اپنے گھروں سے زبردستی نکالنے کے لئے بلڈوزر چلا دیئے گئے۔ جب لوگوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو ان پر فائرنگ کی گئی، اس علاقے میں پولیس کی فائرنگ سے پانچ سو افراد ہلاک اور زخمی ہوئے، چار ہزار مکانات منہدم کر دیئے گئے، چالیس ہزار انسان بے گھر ہو گئے اور ایک ہزار سے زیادہ افراد کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، ترکمان گیٹ میں تباہی کا "حسین منظر" سنجے اور رخسانہ سلطانہ ایک قریبی ہوٹل سے دیکھتے رہے، ڈی ڈی اے کے چیئرمین، جگموہن سے لوگوں نے فریاد کی تو اس کا جواب تھا: "تم یہاں ایک چھوٹا پاکستان بنانا چاہتے ہو؟"

ایک چھوٹے سے بچے کو تباہی کے دوران پیاس لگی تو اس نے ایک سپاہی سے پانی مانگا، پولیس کانسٹیبل نے مسکرا کر کہا "اب تم پاکستان جا کر پانی پیو" کرنال، رہتک، بھیوانی اور گوڑ گاؤں میں پرانی بستیاں اور محلے، صفائی کے نام پر تباہ کر دیئے گئے، بے گھر ہونے والوں کو رہائش کے لئے متبادل جگہ تک مہیا نہ کی گئی، ترکمان گیٹ کے بے گھر ابھی تک در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اکیلے لکھنؤ شہر میں دس ہزار مکانات اور دکانیں مسمار کر دی گئیں۔ کہتے ہیں کہ ترکمان گیٹ کی بربادی کا حال جب اندرا گاندھی کو سنایا گیا تو اس نے ان لوگوں سے کہا کہ جا کر شیخ عبداللہ سے شکایت کریں، یہ لوگ ابھی اپنے گھر واپس نہیں پہنچے تھے کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا، ترکمان گیٹ کی بربادی کے بعد شیخ عبداللہ، وزیر اعلیٰ کشمیر اس علاقے کی تباہی کا حال دیکھنے آئے تھے، انہوں نے پولیس کے ظلم کی مذمت کی اور کہا تھا، "جہنم شاید ایسا ہی ہوگا" جامع مسجد دہلی کے پرانے امام، امام عبداللہ بخاری نے کانگرس کی مسلمان دشمن کارروائیوں کی مذمت کی اور بڑی جرأت کے ساتھ اندرا گاندھی کو

للکارتے رہے، بعد میں امام صاحب نے اس ظلم کے باعث جنتا پارٹی کی حمایت کی اور مسلمانوں نے جو ہمیشہ کانگرس کو ووٹ دیا کرتے تھے، اس کے خلاف اپنا وزن ڈالا۔

ترکمان گیٹ کی بربادی شاید اندرا گاندھی کے دور کا المناک ترین واقعہ تھا۔ "آل پرائم منسٹرز مین" جیسی مستند کتاب کے مصنفین نے اس بربادی کی داستان کچھ اس طرح بیان کی ہے :-

سنجے اپنی حالیہ شہرت اور طاقت کے زعم میں آگے بڑھتا گیا، وہ اپنے آپ میں اس قدر مگن تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکتی تھی، ترکمان گیٹ کی آبادی کے قتلِ عام کا اذن دینے سے پہلے اس نے ایک لمحہ کے لئے بھی سوچنا گوارا نہیں کیا، وہ پرانی عمارات جہاں دہلی قدیم کے ہزاروں افراد آباد تھے، تجارتی مرکزوں کی تعمیر کے لئے مسمار کر دی گئیں، جب اس تباہی کے احکام پر عمل ہونے لگا تو ترکمان گیٹ کے لوگ اپنے گھروں کو بچانے کے لئے باہر نکل آئے لیکن ان کی تمام فریاد سنجے گاندھی کے نزدیک صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اس نے بلڈوزروں کو حکم دیا کہ ان معصوم لوگوں کے مکانوں کو مسمار کر دیا جائے، اپنے گھروں کی بربادی کا نظارہ دیکھنے اور سنجے گاندھی کی رعونت سے ناراض ہو کر ترکمان گیٹ کے باشندے گلیوں میں نکل آئے اور بلڈوزروں کی مزاحمت کرنے لگے، پورے علاقے میں شور وغل بپا تھا، بوڑھے، عورتیں، ننھے بچے، کچلے جا رہے تھے۔ پولیس کی بھاری جمعیت رائفلوں اور لاٹھیوں کے ساتھ اور خود سنجے گاندھی، ترکمان گیٹ کے پاس واقع رنجیت ہوٹل میں رخسانہ سلطانہ اور نوین چاولہ کی صحبت میں اطمینان سے اس تمام منظر کو دیکھ رہا تھا، انہدام کے کام میں لوگوں کی مداخلت اور احتجاج دیکھ کر سنجے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے پولیس کو گولی چلانے کا حکم دیا۔ ترکمان گیٹ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور یہ تمام منظر دیکھ کر سنجے خوش ہو رہا تھا۔ اس قتلِ عام میں بے شمار لوگ ہلاک ہوئے، لوگوں کی دردبھری فریادیں آسمان تک پہنچ رہی تھیں لیکن سنجے مطمئن تھا۔ لوگوں کو اس طرح کچلنے کے بعد، پندالیس دن تک اس پورے علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور اس عرصے میں ظلم و بربریت کا رقص جاری رہا۔ ....

عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور مردوں کی توہین کی گئی اور سنجے کی خواہش نفس پوری ہو گئی۔

وہ نازک اندام نوجوان" اپنی ماں کی آنکھ کا تارا، ایسے کتنے ہی گھناؤنے اور ظالمانہ اقدامات کا بانی تھا ... یہی اس کی نزاکت تھی"۔

یہ سب کچھ، ہندوستان میں جو کبھی دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلاتا تھا، ہوا، دہلی

میں ترکمان گیٹ کی آبادی کو ملیامیٹ کیا گیا، جامع مسجد بازار اجاڑ دیا گیا، قرول باغ کو مسمار کر دیا گیا، سبزی منڈی ختم کر دی گئی۔ لاکھوں آدمی ظلم وستم سے گھبرا کر جمنا پار کے جنگلوں میں چلے گئے یا در در بھیک مانگتے رہتے، یہ ایمرجنسی کا تحفہ تھا کہ گوڑ گاؤں، سلطان پور، پیلی، مظفر نگر اور کیرانہ میں پولیس کی فائرنگ سے سینکڑوں انسان مارڈالے گئے۔ کیرانہ کی ایک مسجد میں پولیس گھس گئی اور امام سمیت نمازیوں پر ظلم کی انتہا کر دی، مظفر نگر کے محلہ کھالاپار میں خون کی ہولی کھیلی گئی، پٹنہ میں بے گناہ لوگوں پر گولیوں کی بارش کی گئی۔

جس دن ترکمان گیٹ میں کرفیو لگا اور گولیاں چلائی گئیں۔ ایک شخص جو اس محلے کا رہنے والا تھا لیکن اس روز باہر تھا، رات کو کسی نہ کسی طرح اپنے گھر کا پتہ چلانے کے لئے کرفیو کے باوجود وہاں پہنچا، اس نے جس طرح بعد میں اپنی آپ بیتی سنائی وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے، اس کی روداد ہفت روزہ عوام کے ایمرجنسی نمبر میں شائع ہوئی، ملاحظہ کیجئے:-

"آخر میں اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا اور میں نے آہستہ سے کنڈی کھٹکھٹائی، مجھے پہچان کر جب والدہ نے دروازہ کھولا تو ان کی سراسیمگی دیکھ کر میری سمجھ میں نہ آیا کہ ان سے کیا کہوں۔ انہوں نے مجھے گلے سے لگایا اور رونے لگیں، بھائی کے بیوی بچے سبھی نیچے ہی آگئے تھے، سب سہمے ہوئے، سب کے چہروں پر خوف وہراس، سب کے رنگ زرد، پھر والدہ نے بتایا کہ پولیس نے کس طرح نہتے لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کی، جو لوگ گھروں میں تھے انہیں بھی نہیں چھوڑا گیا، گھسیٹ گھسیٹ کر باہر لے جایا گیا اور مار پیٹ کی گئی، ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، ان انسانیت سوز واقعات کی تفصیل اب بہت سے اخبارات میں آچکی ہے لیکن ایک منظر جو میری والدہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ انہیں اب تک بے چین کئے ہوئے ہے" ایک بوڑھا باپ اور اس کے کمزور ہاتھوں پر جوان بیٹے کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش تھی، جو گھر سے جمعہ کی نماز پڑھنے نکلا تھا اور ہمیشہ کے لئے اپنے معبود حقیقی سے جا ملا۔ یہ باپ بیٹا کھیر کے پھاٹک کے رہنے والے تھے، علاقے میں کرفیو مسلسل تین مہینے تک جاری رہا، کرفیو گیا، پھاٹک کے پورے علاقے کی مسلم فورس نے اس طرح ناکہ بندی کر رکھی تھی جیسا جنگل کے دوران میں کسی دشمن علاقے کا محاصرہ کیا جاتا ہوگا۔ صبح نو بجے سے رات گیارہ بارہ بجے تک بلڈوزروں کی مسلسل گڑگڑاہٹ، گرتی ہوئی کئی کئی منزلہ عمارتیں جن کے اندر سے سامان بھی پوری طرح نہیں نکالا جا سکا تھا، اس کی اجازت نہ تھی نہ موقع، لوگ سمجھتے تھے جان ہی بچ جائے تو بہت ہے۔

اپنی آنکھوں سے اپنے ہم جنسوں کو ملبے کے نیچے زندہ دفن ہوتے دیکھ چکے تھے اور ڈرتے تھے کہ ان کا بھی یہی انجام نہ ہو۔"

یہ تھا ایمرجنسی کا دور، سمجھدار لوگ کہتے تھے "ہم پر افغانوں نے حکومت کی، مغلوں نے کی، انگریزوں نے کی اور اب اندرا گاندھی حکومت کر رہی ہیں" دہلی میں یہ کہانی عام تھی کہ اگر کوئی شخص پولیس کے خلاف ظلم و ستم کی شکایت کرنے کے لئے سنجے گاندھی کے پاس چلا جائے تو بارہ گھنٹے کے اندر اندر اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمرجنسی کے پورے عرصے میں کسی شخص کی نہ جان محفوظ تھی اور نہ مال، بیوروکریسی کو اپنا تابع مہمل بنانے کے لئے، افسروں کو ڈرایا دھمکایا گیا، افسروں کی چھانٹی کی گئی، ایمرجنسی کے سائے میں ان سے ملازمت کا تحفظ چھین لیا گیا (بعینہٖ یہی سلوک بھٹو حکومت میں، سرکاری ملازمین سے کیا گیا) ایمرجنسی سے چند ہی روز پہلے، ہوم سیکرٹری، این۔ کے مکرجی کو بلاوجہ ملازمت سے نکال دیا گیا اور اس کی جگہ کھرانا جیسے پرلے درجے کے نااہل اور خوشامدی افسر کو مقرر کیا گیا، جسے اس مقصد کے لئے راجستھان سے خاص طور پر لایا گیا تھا، ملازمین کی تقرری اور ترقی کے لئے قواعد و ضوابط کو پس پشت ڈال کر اقتدار کے بھوکے گروہ نے، اپنی مرضی کے افسروں کو مقرر کرنا اور ترقی دینا ایک معمول بنا لیا۔

ایمرجنسی کے دوران، حکومت کے نظام کا رجحان مرکزیت کی طرف ہو گیا تھا، اندرا جی اپنے سیکرٹریٹ کے ذریعے پورے ملک پر راج کرنے لگی، اس سیکرٹریٹ کا نگران، اندرا کا پرائیویٹ سیکرٹری، مسٹر دھون تھا۔ تقریباً دو سو افسروں کو جبراً ریٹائر کر دیا گیا کیونکہ وہ سنجے گاندھی کے ناجائز احکامات پر عمل کرنے کے لئے خود کو آمادہ نہ کر سکے تھے، وکیل، طلبا اور صحافی، قومی سیاست میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس دانشور طبقے پر، ایمرجنسی کے دوران ان گنت ظلم توڑے گئے، طلبا پر ظلم و ستم کی مختصر داستان ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، صحافیوں پر جبر اور عتاب کی کہانی ایک الگ باب میں سنائی جائے گی قانون کے پیشے سے منسلک افراد آمریت کے خلاف جدوجہد میں، ہمیشہ آگے آگے ہی رہے ہیں، خواہ وہ ملک پاکستان ہو یا بھارت، ہفت روزہ عوام لکھتا ہے:-

ایٹمی راز اور دستاویزات چوری کر کے ماسکو کے حوالے کئے تھے جس کے نتیجہ میں ماسکو کی یہودی حکومت جو پہلے انتہائی معاشی بدحالی کا شکار تھی اب ترقی یافتہ اور ایٹمی طاقت بن کر ابھری اسی طریقے سے مشنری جذبے کے تحت بہت سے یہودی بھارت میں بھی آ کر آباد ہو گئے۔ یہ اسی خفیہ دستاویزی معاہدے کی رُو سے عملدرآمد ہوا۔ جس کے تحت بھارت اور اسرائیل مل کر مسلمانوں سے تاریخی بدلہ چکانے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ بھارت میں یہودیوں کو چھوٹی چھوٹی بستیوں میں آباد کر کے اہم شہروں میں آباد کیا گیا۔ سفارت خانے قائم کیے گئے۔ جس کے نتیجے میں بھارت کی خفیہ تنظیم "را" RAW بھر گرم عمل ہوئی۔ کیونکہ بھارت اسرائیل کو کلی طور پر تسلیم کر چکا تھا۔ تاریخ کا بغور جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جب رُوس کا امریکہ سے کام نکل گیا تو وُہ امریکہ اور یورپی ممالک کے خلاف ہو گیا۔ حتیٰ کہ کئی ایک یورپی ممالک کو اپنی کالونیوں میں شامل کر لیا۔ جیسے ہنگری۔ پولینڈ۔ چیکوسلواکیہ۔ مشرقی جرمنی وغیرہ۔ اسی طرح انگریزوں سے تاریخی بدلہ چکانے کے بعد مسلمانوں سے بھی بدلہ لیا۔ اور کئی مسلمان ریاستوں کو ہڑپ کر گیا۔ مثلاً ازبکستان تاجکستان۔ ترکمانستان۔ قرغیزستان۔ قازقستان۔ آذربائیجان وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ ترکستان کا کچھ علاقہ۔ اِدھر ہندوستان نے پہلے سکم کو ہڑپ کیا۔ پھر جوناگڑھ۔ مقبوضہ کشمیر اور اس کے بعد مشرقی پاکستان کو الگ کر کے (بنگلہ دیش) کا نام دیا۔ ان تمام ممالک اور علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے کس قدر عسکری قوت اور کتنا وقت درکار ہو گا۔ آپ خود خوب اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر ایک بات یاد رہے وہ یہ کہ کسی ملک پر قبضہ کرنے اور اس پر اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جارح ملک کے لئے اُس وقت تک آسان نہیں ہوتا جب تک اُس ملک کے باشندے جارح کا ساتھ

"دہلی کے وکیلوں سے سنجے گاندھی کی ناراضگی دن بدن بڑھتی گئی، ان دن جبکہ سرکاری تعطیل تھی، بلڈوزر عدالت پہنچ گئے اور تقریباً ایک ہزار وکلاء کے دفتروں کو گرا دیا گیا، جن وکیلوں نے مداخلت کی ان کی بے عزتی کی گئی۔ دوسرے دن وکلا کے وفد نے دہلی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے ملاقات کی اور احتجاج کیا۔ یہ تمام وکلاء جس بس میں ملاقات کے بعد واپس آ رہے تھے اس کو پولیس نے روک کر ۳۴ وکیلوں کو میسا اور ڈی آئی آر کے تحت گرفتار کر لیا۔ دوسری اتوار کو مزید دو سو وکلا کے کیبن گرا دیئے گئے، بقیہ پانچ سو کے دفتروں کو دوسری جگہ زبردستی منتقل کر دیا گیا، اس تماشاہی میں ۵۸ وکیل گرفتار ہوئے اور صرف ایک وکیل مسٹر اشوک سپرا کو ضمانت پر رہا کیا گیا کیونکہ ڈی آئی جی پولیس (جیل) ان کے باپ تھے۔

"کالی"... بھیانک اور آدم خور "کالی" رقص کر رہی تھی، شہر اجڑ رہے تھے، قبرستان اور سنسان آباد ہو رہے تھے، امن، جمہوریت، شرافت کا سورج، ظلم و بربریت کے اندھیروں میں غروب ہو چکا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تھی اندرا کی حکومت! ۔ ۔ ۔ ۔

بشکریہ مکتبہ صحافت لاہور

دیگر تصانیف و تراجم

1۔	گوریلا جنگ کے اصول اور قوانین .... پشتو	پشتو
2۔	اسلام میں جنگ کے احکام اور قوانین .... "	"
3۔	وسط ایشیا میں روس کے مظالم .... "	"
4۔	سوویت جاسوسی تنظیم (کے جی بی) .... "	"
5	جنگ اور پروپیگنڈہ	"
6۔	مشرق وسطیٰ اور افغانستان روسی سامراج کے پھندے میں ..	اردو
7۔	بین الاقوامی سطح پر (کے جی بی) اور را RAW کے مظالم ..	"
8۔	جنگ اور اسلامی جہاد	"
9	تیسری عالمگیر جنگ	"
10۔	افغانستان جاسوسی تنظیم (خاد)	"

تراجم

1۔	ہندوستان کی جاسوسی تنظیم (را RAW)	اردو
2۔	سوویت ملٹری جاسوسی تنظیم (GRU)	"
3۔	(کے جی بی) کیا ہے؟	"
4۔	معرکہ حق و باطل	پشتو
5۔	تصوف کیا ہے؟	"
6۔	زیارۃ القبور	"
7۔	حقیقت معجزات	"

8	خفیہ صلیبی جنگ	پشتو
9	مسیحیت کا جائزہ --------	″
10	پاکستان میں مسیحیت کے عزائم	″
11	حضرت عیسیٰؑ کی دوست مسلمان یا عیسائی	″
12	محاسن کنز الایمان --------	″
13	پیر ثانی لاثانی --------	″
14	تاریخ نجد و حجاز --------	″
15	توحید و تثلیث --------	″
16	مجدد الف ثانی کی حالات زندگی --------	″
17	کیا رسول اللہ نے تیسری عالمگیر کی پیشگوئی فرمائی تھی ..	″
18	کیا رسول اللہ نے --------	فارسی
19	کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے --------	پشتو
20	سوویت جاسوسی تنظیم (کے۔جی۔بی) --------	″
21	رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ --------	″
22	روس اور افغانستان --------	اردو
23	افغانستان کی دو پارٹی خلق اور پرچم --------	″
۲۴	ہندوستان کی جاسوسی تنظیم را	اردو
۲۵	پاکستان میں دھماکے کرنیوالی تنظیمیں	″
۲۶	سرخ فوج اور سوویت ملٹری	″
۲۷	روس اور بین الاقوامی معاہدے	″
۲۸	ایشیا میں روس کی پیشقدمی۔ پشتو ترجمہ	اردو
۲۹	اسلامی تحریک کی پہلی کتاب	″
۳۰	″ دوسری کتاب	″
۳۱	اے میری قوم	

... جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ افغانستان کی جنگ بھارتی فوجیں حصّہ لے رہی ہے گزشتہ دو ماہ کے دوران ایک بھارتی پائلٹ جاسوس خاتون مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں بیس سے زیادہ بھارتی فوجی مارے گئے ہیں۔

پچھلے ماہ صوبہ کینبکا میں جب مجاہدین نے روسی ہیلی کاپٹر مار گرایا تو اس میں دس بھارتی فوجی جن میں سات مرد اور تین عورتیں تھیں ہلاک ہوئے۔

مشرق وسطیٰ میں ستر ہزار بھارتی جاسوس عورتیں عرب لوگوں کے گھروں میں مصروف جاسوس ہیں۔ علاوہ ازیں مشرقی یورپ اور جنوبی اشیا میں بھی بھارت روس کے لیے معلومات فراہم کرتا ہے، نیز سیاچین گلیشیر اور واخان میں را۔RAW اور KGB مل کر کاروائیاں کرتی ہیں۔

موسیٰ خان جلال زی

قیمت : ۲۰/- روپے

نہ دیں۔ اور اس کو خوش آمدید نہ کہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ کہ روس نے جس ملک پر قبضہ کیا سب سے پہلے اُس ملک کے باشندوں اور لیڈروں کو خرید لیا۔ اُن کی زبان سے مدد المدد کا واویلا کرا کر اُن کی مدد کرنے کے بہانے اس ملک میں کود پڑا۔ اور بالآخر قبضہ کر لیا۔ نیز المدد و المدد پکارنے والوں کو سب سے پہلے تہ تیغ کیا۔ کیوں کہ یہودی ہونے کے باوجود اس کو یہ یقین ہے۔ کہ جو لوگ اپنی قوم اور اپنے ہموطنوں کے ساتھ غداری کرتے ہیں وہ بھلا روس کے کیوں خیر خواہ ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمان ریاستوں میں غدار نہ ہوتے تو آج اس قدر ڈھیر ساری ریاستیں روس مفت میں حاصل نہ کر سکتا۔ یہی حال افغانستان کا ہو رہا ہے۔ اگر وہاں کے غدار لوگ روس کو المدد المدد کی صدا نہ دیتے تو آج شاید صفحۂ ہستی سے اُن کا نام و نشان نہ مٹتا۔ کہاں گئے داؤد۔ حفیظ امین اور اُن کے پیروکار اور پیشرو اور کہاں ہے روسی گیدڑ ببرک کارمل۔

اِسی طرح اگر شیخ مجیب الرحمٰن ہندوستان کو المدد کی ندا سے نہ پکارتا تو شاید آج وہ زندہ ہوتا۔ نہ خود رہا نہ مشرقی پاکستان۔ کمیونزم کا نعرہ لگانے والو تاریخ کا مطالعہ کر کے حقائق کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ تم جن آقاؤں کو مدد کے لئے پکار رہے ہو۔ بالآخر وہی تمہارے سروں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں گے۔ اور تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ تاریخ تم کو غداروں کے نام سے پکارے گی۔ اور تمہارے بھائی اور زندہ بچ رہنے والے تم کو لعنت ملامت کرتے رہیں گے۔ کیا تم جعفر اور قاسم کے پیروکار بننے کا عزم کر چکے ہو۔ تو پھر اپنے انجامِ بد کی بھی انتظار کرو۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ کے جی بی اور RAW تم کو نہ صرف مغرب اور مشرق سے اپنے پنجے میں جکڑ رہی ہیں۔ بلکہ تم میں سرایت کر چکی ہیں۔ کیا اب بھی کوئی شک کی بات باقی رہ گئی ہے۔ جو سمجھ میں نہیں آسکتی۔ تو پھر ہنری رو بینز کی تصنیف کا مطالعہ کر کے

دیکھیں THE K.G.B THE EYES OF RUSSIA وہ اپنی اس کتاب
کے "پیش لفظ" میں لکھتا ہے۔ کہ کے۔ جی۔ بی کے مشہور ترین اور اعلیٰ
ترین دو کارنامے کبھی نہیں بھلائے جاسکتے۔ ان میں ایک تو فرانس میں
"ORLEY" "اورلی" کے مقام پر امریکی فوجی ڈاک خانہ اور دوسرا ابلیقو رنیا میں
امریکہ کا "سٹیلائٹ" مواصلاتی مرکز جو سی آئی اے "CIA" کے زیر نگرانی تھے
ان کے راز افشا کر کے سویت یونین سمگل کر دیئے۔ نیز ان دونوں اپریشنوں
میں کے جی بی K.G.B نے ماسکو کو بڑی اہم ترین خفیہ دستاویزات فراہم
کر کے مغربی ٹیکنالوجی کے علاوہ عسکری اور سیاسی پالیسیاں تیار کرنے
کے منصوبے اور ان پر عملی جامہ پہنانے کے طریقے بخوبی معلوم ہو گئے
اور یورپ کی تمام امیدیں خاک میں مل کر رہ گئیں۔ بالخصوص سٹالن۔
خروشیف لودر برزنیف۔ "را" RAW کی فراہم کردہ دستاویزات اور
اور اطلاعات پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ مغرب کی تمام عسکری چالیں
ان کو "را" RAW کی وساطت سے مہیا ہو رہی تھیں کیوں کہ "را" کے کارکن
کے جی بی کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے۔ کیا اب بھی یقین نہیں آئیگا
سرد جنگ دو طرح سے لڑی جاتی ہے۔ ایک بین الاقوامی سطح پر
اور دوسرے سفارتی سطح پر۔ بین الاقوامی سطح پر کوئی ملک اپنی پالیسی
منوانے کے لئے یا تو فرداً فرداً ملکوں اور اُن کے سربراہوں سے مل کر حمایت
حاصل کرنا ہے۔ اور یا پھر اقوام متحدہ کا ادارہ جہاں پر اپنا مؤقف
بیان کر کے دوسرے ممالک کو قائل کیا جاتا ہے۔ اور دُنیا کی حمایت حاصل
کی جاتی ہے۔ لیکن سفارتی سطح پر اس کا عمل کچھ عجیب وغریب بلکہ
حیران کن ہے۔ اور اگر روس اور بھارت کے سفارت کاروں کی کرتوتوں
کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ عمل بڑی حد تک پریشان کن بھی نظر آتا ہے
لہٰذا اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے دو تصانیف کا
مطالعہ ضروری ہے۔ (۱) بھارت کے خفیہ چہرے جو بھارتی مصنف
کی کتاب ہے۔ (INSIDE RAW) کا ترجمہ اور تلخیص ہے (۲) کے

جی بی اور را کے مظالم مصنف موسیٰ خان جلال زئی کی کتاب ہے۔

یہ دونوں کتابیں روس اور بھارت کے گٹھ جوڑ کی ترجمان اور ان کے خفیہ دھندوں کی عکاسی اور طریقہ کار سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ کیا کوئی بھی محب وطن پاکستانی مسلمان چند سکوں کے عوض بک کر اپنے ملک کو تباہ کے دہانے پر کھڑا کر سکتا ہے۔ ایسا کرنے والا یقیناً غدار، ملک دشمن اور واجب القتل ہے۔

کے۔جی۔بی K.G.B اور را RAW کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کے غدار لوگوں کو خرید کر ان سے ملک کا اہم دستاویزات خفیہ راز نیز عسکری قوت کا اندازہ لگانے کے لئے کاغذات وصول کر کے ملک میں تخریب کاری۔ قتل و غارت گری اور خوف و ہراس پھیلاتے ہیں لوگوں کو حکومت کی پالیسیوں کے خلاف بھڑکا کر ملک کے اندر افواہیں پھیلا کر لوگوں میں خوف و ہراس اور بے چینی پھیلاتے ہیں افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد سے قبل اس ملک عزیز پاکستان میں نہ تو اتنے ڈاکو تھے اور نہ ہی کبھی اتنے دھماکے ہوتے تھے۔ نہ کبھی اتنی ریل کی پٹریاں اکھاڑی جاتی تھیں اور نہ ہی اتنے جانی حادثے وقوع پذیر ہوتے۔ پشاور میں پی آئی اے کی عمارت کی تباہی۔ کراچی میں سعودیہ کا ایئر دفتر بم کے دھماکے کی نذر ہو گیا۔ بے شمار پل اڑا دیئے گئے نیز خیبر میل کا حادثہ۔ شہروں میں کرفیو۔ ڈاکے اور ہتھوڑا گروپ اور یونیورسٹیوں میں پولیس تصادم۔ طلباء کا قتل۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ کہاں سے آ گئے سندھ میں اتنے ڈاکو۔

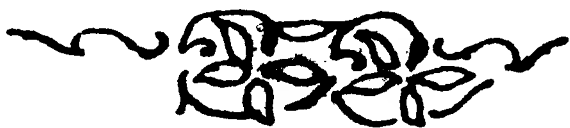
یہ سب کچھ کے جی بی اور را کی مہربانیاں ہیں جس طرح ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں را RAW مکتی باہنی کے نام سے داخل ہو گئی تھی۔ بعینہ اسی طرح سندھ میں را ڈاکوؤں کے روپ میں داخل ہو گئی ہے اور یہ سب اسی کے کارنامے ہیں۔ سندھ میں زیادہ اس لئے ہے کیونکہ

وہاں ہندوؤں کی اکثریت آباد ہے۔ اکثریت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے صوبوں کی نسبت سندھ میں ہندو زیادہ آباد ہیں۔ بالکل اُسی طرح جس طرح امریکہ[1] میں یہودیوں نے مشنری طرز پر خفیہ تنظیمیں قائم کی تھیں اسی طرح سندھ میں خفیہ ہندو تنظیمیں قائم ہیں۔ جن کو را کے کارکن چلا رہے ہیں۔ اور یہ سارا کاروبار ان کی بدولت ہو رہا ہے ادھر صوبہ سرحد میں افغان مہاجرین کے روپ میں مساد جو کے جی بی کی دوسری شاخ ہے۔ اس کے کارکن مصروفِ عمل ہیں۔

گزشتہ ماہ بمبئی سے آنے والے پین امریکن طیارے پر ہائی جیکرز کے قبضے اور ان کے خلاف پاکستان کمانڈوز کی کارروائی پر بھارتی ردِ عمل۔ اسلام آباد میں روسی سفارت خانے میں سوویت ملٹری انٹیلی جنس (G R U) کے ایجنٹ کی قتل۔ دہلی میں بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی پر را RAW کے ایجنٹ کرم جیت سنگھ کے قاتلانہ حملہ کے مضحکہ خیز ڈرامے اور اس کے ساتھ ہی راجستان میں بھارت کی چند ڈویژن فوج کی تعیناتی تاریخ کی سب سے بڑی اور پاکستانی سرحد سے بالکل متصل فوجی مشقوں کی تیاری۔ بھارتی اخبار امرت بازار پتریکا کی یہ اطلاع کہ روس ستمبر سے دسمبر تک بھارت پر سخت دباؤ ڈال رہا ہے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان کا یہ بیان کہ بھارت نے اکتوبر میں پاکستان پر حملے کا پروگرام بنایا تھا۔

---

[1] اس سلسلے میں "THE NEW K.G.B" ENGINE OF SOVEIT POWER" K.G.B THE کا مطالعہ کریں۔ اردو کا ترجمہ EYES OF RUSSIA جس کا میں نے (مصنف) ترجمہ کیا ہے۔



اور جدید اسلحہ سے ملبس بھارتی فوجیں جنگی مشقوں کے بہانے اسی مقصد
کے لئے پاکستانی سرحدوں پر لائی گئی ہیں اور ان تمام خبروں کے ساتھ
ساتھ سندھ میں ہونے والی تخریب کاری، صوبہ سرحد میں بموں کے
دھماکے اور بلوچستان میں لینن اور سٹالن کی کتابوں کی تقسیم اور کے
جی بی، را RAW اور خاد کی سرگرمیاں گزشتہ چند ہفتوں کی خبروں میں
ملاحظہ فرمائیے۔

بھارت کے برسرکار اور ریٹائرڈ فوجی جنرلوں۔ دانشوروں اور اعلیٰ
افسروں کے ترجمان سہ ماہی (انڈین ڈیفنس ریویو) دہلی کے شمارہ جولائی
۱۹۸۶ء میں پاکستان کے قیام۔ اس کے جواز۔ اس کی بڑھتی ہوئی قوت۔
دہشت گردوں کی مبینہ مدد و سرپرستی پر ایک تفصیلی بحث شائع ہوئی
ہے۔ اور لیفٹیننٹ جنرل ای اے داس کا ایک خصوصی مضمون "آئندہ
دس برسوں میں پاکستان کی فوجی قوت" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔
دہشت گردی پر ایک تحقیقاتی ٹیم کی جو رپورٹ پیش کی گئی ہے۔ وہ درحقیقت
پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم کا ایک مکمل منصوبہ ہے اس میں
سکھوں کے لئے تربیتی کیمپوں ایک "خالصتان سیل" کے قیام۔ اسلحہ اور
وسائل کی فراہمی۔ لندن اور واشنگٹن کے پاکستانی سفارت خانوں
میں "خالصتان سیل" کی تشکیل اور اسی نوعیت کے دوسرے من گھڑت الزامات
کا اظہار ہے اور پھر تین متبادل صورتوں میں اس کا علاج تجویز کیا گیا ہے
۱۔ گرم تعاقب کے اصول پر عمل کرتے ہوئے پاکستان میں قائم تربیتی کیمپوں
پر حملہ کیا جائے ۲۔ پاکستان کو دوطرفہ بات چیت کے ذریعہ دہشت گردوں
کی امداد سے باز رکھنے کی کوشش جاری رکھی جائے۔ بھارت خفیہ طریقے
سے سندھ اور بلوچستان کی علیحدگی پسندانہ تحریکوں کی مدد کرے اور انہیں ہر
ممکن مدد بہم پہنچائے۔

ٹیم کا کہنا ہے کہ: بلوچستان کے قبائلی رہنما پاکستان کے لئے مسئلہ بنے

ہوئے ہیں۔ ہم سندھ اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کی مدد کریں۔

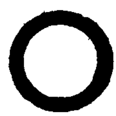
مندرجہ بالا بھارت کے الزامات سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں بلکہ بھارت خود افغان کمیونسٹوں کو تربیت دے رہی ہے اور بھارت کی پائلٹ براہِ راست افغان مجاہدین مجاہدین پر بم برسا رہی ہے۔ اس کے علاوہ بھارت افغان کٹھ پتلی حکومت کو خود کار بم سپلائی کر رہی ہے جس کے نتیجے میں مندرجہ بالا تمام الزامات بھارت پر صادق آتی ہے۔ کیوں کہ بھارت تخریب کاروں اور دہشت گردوں کا گھر ہے۔ اور مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے



ہندوستان کی جاسوسی تنظیم

ترتیب و ترجمہ :

موسیٰ خان جلالزئی



افغانستان جہاد ریفرنس ___ لاہور

بنگلہ دیش میں را۔ RAW کی سرگرمیاں

بھارت کی رسوائے زمانہ جاسوسی تنظیم (را-RAW) نے بنگلہ دیش میں پاکستان کے مسلمان عساکر کے خلاف روسی کے جی بی (KGB) کے ساتھ مل کر زور و شور سے حصہ لیا تھا۔ پاکستان کا تمام فوجی اور سیاسی راز بھی ہندو ملڑی کو را۔ RAW نے پہنچائی تھی۔ بنگلہ دیش میں فوجی کارروائی کے دوران بھارتی مداخلت کے ناقابل تردید شواہد منظر عام پر آئے۔ کئی مقامات سے بھارتی اسلحہ اور گولہ بارود کی برآمدگی محض پروپیگنڈہ نہیں تھی۔ بعدازاں اس امر کے واضح ثبوت منظر عام پر آئے۔ کہ سادہ کپڑوں میں ملبوس را۔ RAW کے ایجنٹ بڑی تعداد میں مشرقی پاکستان داخل ہوئے تھے۔ ایک معروف بھارتی مبصر نے انکشاف کیا کہ انڈین بارڈر سیکیورٹی فورس کو باغیوں کو مدد کے لیے سپاہی اور اسلحہ بھیجنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اور بھارتی فوج کو ہر طرح کے نتائج سے نمٹنے کی ہدایات کی جا چکی تھیں۔ دراصل عوامی لیگ کے رہنما بہت پہلے سے بھارتی حکومت سے فوجی رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے سرگرم تھے۔ کلدیپ نیر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ بنگلہ دیش کے رہنماؤں نے یحیٰی خان کے ساتھ اپنے

مذاکرات ناکام ہونے کے فوراً بعد ہی بھارتی حکومت سے رابطہ قائم کر لیا تھا

بھارت نے پروپیگنڈا کے محاذ پر بھی پاکستان سے سبقت لے جاتے ہیں

کامیابی حاصل کی اس نے صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور غیر ملکی پریس

کی مدد سے بنگالیوں کے نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا۔(۱) دراصل اسرائیل کی

جاسوسی تنظیم (MUSSAD) اور شین بٹ (SHEEN BUTT) نے مغربی دنیا میں بسنے

والے اپنے ایجنٹوں کو یہ پیغام بھیجوا دیا تھا کہ وہ بنگالی علیحدگی پسندوں کی اخلاقی

اور مادی مدد کریں اور اس ضمن میں (را۔ RAW) کے ایجنٹوں سے پورا پورا تعاون کریں۔

مارچ اور اپریل میں انتہا پسندوں اور (را۔ RAW) اور (IB) کے تخریبکاروں

کی پیدا کردہ دہشت کے نتیجے میں مشرقی پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد نے سرحد

عبور کر کے بھارت چلی گئی۔ عوامی لیگ اور بھارتی حکومت کے پروپیگنڈہ سے

متاثر مغربی پریس نے پاکستان فوج پر قتل عام کا الزام تو عائد کیا مگر کسی نے یہ

سوال نہ کیا کہ مغربی پاکستانی تاجروں، صنعتی کارکنوں، سرکاری ملازموں اور دیہی

علاقوں میں متعین فوجی آفیسروں کا قاتل کون تھا۔ اگر مہاجروں کی نقل مکانی کی وجہ

پاک فوج کے مظالم تھے تو مارچ اور اپریل کے درمیان بے شمار مغربی پاکستانیوں

نے سرحد پار کر کے بھارتی جیلوں میں سڑنے کو کیوں ترجیح دی۔ فوجی اقدام اور

تخریب کاروں کی کارروائیوں سے پیدا ہونے والی دہشت آمیز فضا کے نتیجے میں

تقریباً دو لاکھ ہندو اور مسلمان مشرقی پاکستان باشندے سرحد پار کر کے مغربی

بنگال اور آسام میں داخل ہو گئے (۱) اس موقع پر بھارتی حکومت نے اعلان کیا

کہ بھاری تعداد میں مہاجرین بھارت آ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بھارت نے مہاجرین

کے لیے سکول قائم کر کے انہیں پاکستان کے خلاف لڑنے کے لئے خوب تربیت

(۱) پاکستان کیوں ٹوٹا۔ ڈاکٹر صفدر محمود

دی اور مہاجرین کے مسئلے کو پاکستان پر فوجی حملے کے لیے استعمال کیا۔

اس کے برعکس ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران بھارت کے سرحدی دستوں نے (۳۹۰۰۰) افراد کو جو سرحد پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ واپس بنگلہ دیش بھیج دیا۔ تارکین وطن کو جنگ کے جواز اور مکتی باہنی کے گوریلوں کو بھارتی فوج کے نمائشی گروپ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ مئی ۱۹۷۱ء میں را۔(RAW) کے گوریلوں نے جنہیں بھارتی حکام نے خوب تربیت دی تھی۔ نہایت سرگرمی سے املاک کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔ علاوہ ازیں ریل کی پٹڑیوں اور بموں کے دھماکوں کے علاوہ کئی لوگوں پر دن دہاڑے حملے کیے۔ اس بات کی مکمل ثبوت موجود ہے کہ بھارت نے نہ صرف را۔ RAW نے ارکان کو تربیت دیکر استعمال کیا بلکہ بھارتی فوج کے کئی ارکان نے اُن کے ساتھ گشت وخون میں حصہ لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ سے بہت عرصہ پہلے ڈھاکہ کے گرد نواح میں سادہ کپڑوں میں ملبوس را۔ RAW کی مبینہ سے ارکان دیکھے گئے۔ بعدازاں مسز گاندھی نے خود اپنے ایک بیان میں کہا کہ را۔ RAW کے ارکان کی تربیت اور انہیں بھارتی اسلحے کی فراہمی ہی مشرقی پاکستان کے بحران کا حل ہے اور یہ حل آزاد بنگلہ دیش کے سوا کچھ نہیں۔ اس امر کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔ بھارتی تخریبکاروں کا بڑا حصہ بھارتی فوجوں پر مشتمل تھا۔ ٹائمز (لندن) کا یہ تبصرہ بالکل بجا تھا کہ فوجی کارروائی کے بعد بھارت سے اسلحے کی فراہمی رک گئی۔ اب بھارت کا اگلا اقدام یہ تھا کہ پاکستانی افواج کے اقدام میں رکاوٹ کے لئے ذرائع مواصلات کو سبوتاژ کرنے اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے مشرقی پاکستان میں را۔ RAW کے تخریبکار بھیجے جائیں۔ ابتداء میں بھارت نے مکتی باہنی

(۱) پاکستان کیوں ٹوٹا۔ ڈاکٹر صفدر محمود

کو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا۔ لیکن جب یہ بات واضح ہو گئی کہ متعینہ مقاصد کا حصول
تنہا مکتی باہنی کے بس کا کام نہیں تو بھارتی ملٹری جاسوس بھی میدان میں کود پڑی
(دی ٹیلیگراف) نے اپریل میں شائع ہونے والے ایک خبر میں کہا کہ قرائن بتلاتے
ہیں کہ بھارتی اسلحہ سے بھری ہوئی ایک ٹرین مداری پور کے قریب علیحدگی پسندوں
کے پاس پہنچ چکی ہے (۱) طالب علموں خصوصاً مکتی باہنی میں شمولیت کے خواہش
مند ہندوؤں میں سے رضا کار بھرتی کیے گئے جن کا اہم مقصد سبوتاژ کارروائیاں
کرنا تھا۔ ان رضاکاروں کو بھارتی فوج اور را۔ RAW کے قائم شدہ پچاس سے زیادہ
تربیتی مراکز میں تربیت دی گئی۔ دوسری طرف بائیں بازو کی نیشنل عوامی پارٹی اور
کمیونسٹ پارٹی کے گوریلا گروپ نے بھارتی فوجوں کے تعاون سے مشرقی پاکستان
کے اندرونی علاقوں کو اپنی تخریبی سرگرمیاں کا مرکز بنا لیا۔ بھارت نے مکتی باہنی
کے چھاپہ ماروں کو پناہ دینے کے علاوہ اس کے رضاکاروں کے تربیت کا انتظام
بھی کر رکھا تھا۔ بھارت نے بعض موقعوں پر انہیں توپیں اور مارٹر فائر بھی مہیا کیے (۱)
۱۱ ستمبر کو پاکستان نے اپنے دوست ممالک سے فوری مدد کی درخواست کی
ڈھاکہ کو اس امر کی اطلاع بھی دے دی گئی کہ بیرونی مدد عنقریب متوقع ہے
مگر یہ مدد کبھی نہ پہنچی اور جنگ جاری رہی۔ پندرہ دسمبر تک بھارتی فوجیں ڈھاکہ
شہر کے مضافات میں پہنچ چکی تھیں۔ چودہ دسمبر کو بھارتی فضائیہ نے گورنر ہاؤس
پر راکٹوں سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں گورنر اور ان کی کابینہ نے اپنے
عہدوں سے استعفیٰ دیکر ریڈ کراس سے پناہ طلب کر لی۔ بھارتی فوجوں کو سائنسی
بنیادوں پر تربیت دی گئی تھی اور انہیں پاکستان کے خلاف لڑنے کے لیے

(۱) پاکستان کیوں ٹوٹا۔ ڈاکٹر صفدر محمود

(۲) " " " " "

خاص طور پہ تیار کیا گیا تھا۔ عرب اسرائیل جنگ کے بعد بھارت نے میجر جنرل جیکب کو عربوں کے خلاف اسرائیل کی مخصوص حکمت عملی کے مطالعے کے لئے مامور کیا تھا۔ اس مطالعے کا مقصد اسرائیلی حکمت عملی کو پاکستان کے خلاف جنگ میں استعمال کرنا تھا۔ مثالتاً بھارت ان بنگالی فوجی آفیسروں کے ذریعے پاکستانی فوج کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر چکا تھا۔ جو مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد بھارت چلے گئے تھے۔ چارم ۱۹۶۵ء کے برعکس بھارت اپنی فوجوں کو روس سے ملے ہوئے جدید ترین ہتھیاروں سے آراستہ کر چکا تھا۔ جب کہ پاکستان ان سے محروم تھا (۱)۔ یہ ہندوستان کی جاسوسی تنظیم (را۔ RAW) کی وہ سرگرمیاں جس نے مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف جاری رکھی تھی۔ ہندوستان کی جاسوسی تنظیم (را۔ RAW) نے پاکستان افواج سے متعلق کافی معلومات پاکستان کے افواج میں بنگالی فوجیوں سے حاصل کیا تھا۔ پاکستان کی افواج میں بنگالی لوگوں کو فوجی سے لیکر جنرل تک انہوں نے پیسہ دیکر اہم راز حاصل کی۔ علاوہ ازیں پاکستان کے اہم ریون، تنصیبات اور دیگر اہم فوجی اور سول مراکز سے متعلق معلومات حاصل کی تھی۔

---

(۱) پاکستان کیوں ٹوٹا۔ ڈاکٹر صفدر محمود

افغان مجاہدین کے خلاف (را۔RAW) کی سرگرمیاں

ہندوستان کی جاسوسی تنظیم (را۔ RAW) نے روسی کے جی بی کے ساتھ ملکر افغان مجاہدین کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے۔ ہندوستانی جاسوس براہ راست مجاہدین کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ افغان اور ہندی جاسوسوں کو تربیت دینے کے لئے (را۔ RAW) نے ضلع جلال آباد اور قندھار میں تخریبکاری کی کئی سکول قائم کیے ہیں۔ ان سکولوں میں جاسوسی تربیت کے علاوہ جنگی تربیت بھی دی جاتی ہے۔

(را۔ RAW) نے پچھلے تین سالوں سے کے جی بی کے ساتھ ملکر پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کا آغاز کیا ہے۔ جلال آباد اور قندھار سے ہزاروں ایجنٹوں کو افغان مہاجرین کے کیمپوں اور دفاتر میں بھیجے گئے ہیں۔ جن سے افغان مجاہدین کے منصوبوں اور جنگی حکمت عملی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے کام لیا جاتا ہے۔ جلال آباد اور قندھار کے دہشت گرد سکولوں میں ہندوؤں اور افغانوں کے علاوہ چند پاکستان دشمن عناصر بھی زیر تربیت ہیں۔ جن کو تربیت دینے کے بعد پاکستان میں فوجی اور ایٹمی راز کے علاوہ دوسرے اہم راز حاصل کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ گذشتہ تین ماہ کے دوران افغان مجاہدین نے کافی ہزار میں ہندوستان سے لائے گئے۔ خودکار بم پکڑے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں کئی ہندوستانی زخمی مارے گئے ہیں۔ ایک ہندوستانی پائلٹ خاتون پکڑی گئی ہے۔ مزید برآں کئی اور اسناد بھی ہاتھ میں آگئے ہیں۔

پاکستان میں حالیہ بموں کے دھماکوں میں ان لوگوں کا ہاتھ سو فیصد تصدیق شدہ

ہے۔ جن کو جلال آباد اور قندھار کے دہشت سکولوں میں تربیت دیا گیا ہے۔ یہ نہیں بلکہ را۔ RAW کی ستر ہزار جاسوس عورتیں عرب ملکوں میں بھی سرگرم عمل ہیں۔ ایک اور اطلاع کے مطابق کے جی بی۔ را۔ RAW کی وساطت سے مشرقی یورپ اور مشرق وسطی کے ملکوں کا اہم راز حاصل کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کے جی بی امریکہ اور دوسری مغربی ملکوں کا راز بھی را۔ RAW کی وساطت سے حاصل کرتا ہو۔ جب کہ پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ بھارت کی جاسوسی تنظیم (را RAW) سوویت یونین کے لیے کام کرتا ہے۔ اسی طرح مشرقی یورپ و مشرق وسطی کے علاوہ اب بحر ہند میں بھی روسی بحریہ کو مختلف ملکوں کی نقل وحرکت کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ حالیہ چند دنوں سے بھارتی بحریہ خلیج فارس کی طرف روانہ ہوئی ہے۔ جس میں جدید جاسوسی آلات کے علاوہ انتہائی خطرناک اسلحہ سے بیس روسی طیارے موجود ہیں۔ عرب ملکوں میں ستر ہزار ہندو عورتوں کو جو کہ را RAW کے لیے کام کر رہی ہیں۔ پیغام بھیجا ہے کہ وہ خلیج اور بحر ہند میں امریکی فوجی حکمت عملی اور ان کی سرگرمیوں کے متعلق معلومات فراہم کریں۔ کئی دنوں سے یہ جاسوس عورتیں بہت سرگرم ہیں۔ تاکہ بھارت کو معلومات فراہم کر سکیں۔ را۔ RAW کے اکثر کارکن جو مشرقی یورپ میں تنظیم ہیں۔ ان کو بھی امریکی سرگرمیاں سے متعلق معلومات جمع کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اب ہندوستان نے بحر ہند میں روس کے لیے جاسوس کا کام شروع کر دیا ہے۔

"را" کیسے وجود میں آیا؟

۱۹۶۹ء میں جب کانگریس میں پھوٹ پڑ گئی تو کچھ عرصہ تک "را" تنظیم اپنے خطرناک ارادوں اور ہتھیاروں سمیت اپنی مخفی کمین گاہوں میں چھپی رہی کیونکہ سیاسی حلقوں میں اس بات کا بڑا چرچا ہو گیا تھا کہ ہندوستان کی خفیہ تنظیم کی موجودگی اور اس کی کارکردگی کے تمام ذرائع منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے رسالہ

نے اپنے جولائی ۶۹ء کے شمارے میں اس پر بھرپور اظہارِ خیال کیا جس پر کافی شور برپا ہوا اور یکے بعد دیگرے کئی واقعات منظرِ عام پر نمودار ہوئے جو کہ (RAW) "را" اور اس ادارے کے چیف بنام "کاؤ" کے نام سے واقفیت کا موجب بنے۔

مسٹر کاؤ نے سینکارن نائر کے ساتھ مل کر اس خفیہ تنظیم "را" کی بنیاد رکھی تھی۔ چنانچہ اس (RAW) را تنظیم کا سربراہ مقرر کرنے کے لیے مناسب انسان کی تلاش کا کام بڑا کٹھن مرحلہ تھا کیونکہ اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جنہیں انٹیلی جینس یعنی جاسوسی کے کام میں بالکل کوئی تجربہ اور واقفیت نہ تھی۔ چنانچہ کاؤ ہی ایک ایسا شخص تھا جس کی طرف بار بار نظریں اٹھتی تھیں اور حکومتِ ہندوستان کے لیے اس سے بہتر انتخاب نظر نہیں آ رہا تھا۔

رامیشوار ناتھ کاؤ نے نہرو کے دورِ حکومت میں آئی بی (IB) کے کارکن کی حیثیت سے دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا تھا اور جاسوسی کے شعبے میں نام پیدا کر چکا تھا۔

گھانا کی حکومت نے یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو آزادی حاصل کرنے کے لیے ہندوستان سے اپنے تعلقات استوار کر لیے تھے۔ چنانچہ گھانا کا صدر مسٹر کوامے نکروما جو کہ ہندوستان

کے وزیرِ اعظم مسٹر نہرو کا دوست بھی تھا۔ مسٹر نہرو سے درخواست کی کہ وہ گھانا کی خارجہ جاسوسی تنظیم کو منظّم کرنے کے لیے گھانا کی مدد کریں۔ مسٹر نہرو نے یہ درخواست فوراً قبول کر لی اور اس اہم کام کے لیے دو آدمیوں کے نام منتخب کیے جن میں پہلے تو مسٹر کاؤ کا نام تھا اور دوسرا نائر ۔ اور ان دونوں کو گھانا کی حکومت کے حوالے مستعار کر دیا۔ یہی وہ دونوں شخص تھے جنہوں نے بعد میں "را" (RAW) تنظیم کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر کے منظّم کیا تھا اور یہی وہ دونوں شخص ہیں جنہوں نے اپنی قابلیت کی بنا پر گھانا کی خفیہ تنظیم کو راہِ عمل دی۔ مسٹر کاؤ نے اس تنظیم کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی اور مسٹر نائر نے اس کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے مدد دی۔

اُن کی اس سنہری ساحل کی اپنی قابلیت کی بنا پر خدمت نے اور اُن کی گزشتہ تجرباتی زندگی نے ان کو اور بھی اپنے میدانِ عمل میں مستعد بنا دیا تھا۔ چنانچہ اس کے آٹھ سال بعد اُن کو ہندوستان کی کیبنٹ سیکرٹری ایٹ کے R AND A . W یعنی را (RAW) تنظیم میں تعینات کر دیا گیا۔ اگرچہ اس تنظیم کے قائم کرنے کے احکامات ۲۱ ستمبر ۱۹۶۸ء کو جاری کیے گئے مگر مسٹر کاؤ اور نائر کو اپنی ۲۵۰ افراد کی جماعت کے ہمراہ (IB) انٹیلی جینس بیورو کے سایہ سے بغیر کسی انعام و اکرام اور تحسین و آفرین کے الگ کر دیا گیا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ (RAW) را کے لیے کوئی ایسا خاص مقام یا جگہ نہ تھی جہاں اس تنظیم کو رکھا جاتا اور دار الحکومت نئی دہلی پہلے ہی بے شمار سرکاری دفاتر سے اٹا پڑا تھا۔ چنانچہ اس شعبے کو شمالی بلاک سے جنوبی بلاک میں منتقل کر کے اس کے موجودہ ڈھانچے کی مکمل اوور ہالنگ کر کے اس کو نئے سرے سے منظّم کرنے کا خیال اُبھرا جس کا نام RESEARCH AND ANALYSIS WING جو کہ RAW کے مخفف نام سے موسوم کیا۔ اس تنظیم کے سامنے دو میدان تھے (۱) پاکستان (۲) چین، جن کو یہ سب سے پہلے آگ کی لپیٹ میں لانا چاہتے تھے اور یہی ان کی پہلی منزل تھی۔ کیونکہ ۱۹۶۵ء کی مضحکہ خیز

ناکامی نے ثابت کر دیا تھا کہ را اور سنگھ کی مہیا کردہ اطلاعات اور ان کی تجزیاتی حیثیت میں بڑا نمایاں فرق نظر آیا جس کو سمجھنے میں غلطی سرزد ہوئی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ تجربے کی بنا پر بہت سے دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے ذہین افراد کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور تقریباً ہر شعبۂ زندگی سے مغز نکال کر را (RAW) میں سمو دیا۔ نتیجتاً بعد کے برسوں میں بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اس طرح سے را (RAW) جو کہ بالواسطہ وزیرِ اعظم کے زیرِ سایہ اور زیرِ تعمیل تھی۔ ۱۹۶۹ء سے اِس نے دو خصوصی ذرائع (۱) ملٹری (۲) خارجہ ذرائع سے اطلاعات حاصل کر کے اُن کا تجزیہ کر کے حکومت کے لیے داخلہ اور خارجہ پالیسیاں تیار کرنے میں بڑی ممد و معاون ثابت ہوئی۔ ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ اس کے سربراہوں کو ڈائریکٹر کے بجائے سیکرٹری کے نام اور عہدے سے نوازا گیا جس سے یہ تنظیم سُرخ فیتے کے چکر سے بھی محفوظ ہو گئی اور ایک قابلِ اعتماد ادارہ بن گیا جس نے بعد میں مشرقی پاکستان کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے کر ایسا بھرپور وار کیا کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کی صُورت اختیار کر کے اپنی موجودہ صورت میں پاکستان سے الگ ہو گیا گویا پاکستان کی کمر توڑ دی۔ SEE.)

(SPECIAL OPS: BANGLA DESH AND SCKKIM

عسکری خُفیہ ادارہ :

ملٹری میں خفیہ تنظیم کے انعقاد کا کوئی نیا خیال نہ تھا کیونکہ اسی نہج پر رُوس کی KGB امریکہ کی CIA اور برطانیہ کی SIS کے نام کی خفیہ تنظیمیں پہلے سے موجود تھیں۔ چنانچہ ہندوستان کی حکومت نے بھی اسی طرز پر RAW تنظیم میں عسکری بازو قائم کیا۔ یہ ادارہ مشکل کاموں کو اور مہموں کو سر کرنے کے لیے بڑا موثر ثابت ہوتا ہے جو کہ بین الاقوامی اہم شخصیات اور سربراہوں کے میل جول کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ مرار جی ڈیسائی اور موشے دایان کی خفیہ ملاقات کرانا بھی اسی ادارے کی کارکردگی کا حصہ ہے جسے ہندوستان میں RAW

ایڈیشن اگست ۱۹۸۴ء
کتاب ہندوستان کی جاسوسی تنظیم "را"
ترتیب موسیٰ خان جلالزی
افغان جہاد ریفرنس
قیمت ۲۰/ روپے
تعداد ۵۰۰

کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نے یہ ملاقات نیو دہلی (NEW DELHi) میں ترتیب دی تھی۔

را کی ذمہ داریاں :

اس تنظیم کے ذمے چار اہم اور خصوصی کام سپرد کیے گئے :

۱۔ ہندوستان کے تمام پڑوسی ملکوں کی عسکری اور سیاسی ترقی کے متعلق طلاعات فراہم کرنا اور راز معلوم کرنا جس سے اُس کی خارجہ پالیسی کا انکشاف ہو سکے تاکہ ہندوستان پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

۲۔ دوسری اہم ذمہ داری یہ تھی کہ کمیونزم اور سوشلزم کے قوی ہیکل دیو (جن) یعنی چین اور رُوس کے اثرات کا بین الاقوامی طور پر ہندوستان کی حکومت پر اندازہ لگانا اور زیرِ نگاہ رکھنا۔

۳۔ پاکستان کو مغربی ممالک امریکہ اور چین سے اسلحہ کی فراہمی کا کام۔

۴۔ بیرونی ممالک میں ہم خیال لوگوں کو کثرت سے پھیلانا اور بکثرت ہم خیال لوگوں کی لابی کی خدمات حاصل کرنا۔

یہ وہ چار خصوصی ذمہ داریاں را RAW کے سپرد تھیں۔

خفیہ حکمتِ عملی :

اس خیال کے برعکس جیسا کہ عام طور پر سوچا جاتا ہے، ضروری نہیں کہ انٹیلی جینس کے کام کو جاسوسی کے نام سے جانا جائے۔ تاہم یہ بھی ایک اہم ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے علم کا نام ہے۔ ابتدائی دَور میں (iB) نے بہت سے لوگوں کو اس علم سے روشناس کیا اور بہت سے افسر اور کارکن تیار کیے۔ بعد کے اندازے سے یہ اخذ کیا گیا کہ کسی ایک ہی ادارے میں جاسوسی میں

روس کے تجربات سے استفادہ کیا گیا جس کی بنا پر مختلف شعبوں کے لیے مختلف مقامات کا انتخاب کیا گیا۔ یعنی الگ الگ شعبوں کے لیے الگ الگ تربیت گاہیں بنائی گئیں جو مقاصد کے حصول کا باعث بنیں۔

ادارۂ جاسوسی :

را (RAW) ، اس ادارے کے ذمے اہم ملکی ضروریات کو پورا کرنے کا کام سونپا گیا تھا جس میں دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ ایسا مواد اکٹھا کرنا جو ملک کی سلامتی کے لیے ضروری ہو۔ اس کا حلقۂ کار بیرونی ممالک ہیں۔ را نے داخلی طور پر کوئی کام سرانجام نہیں دیا۔ چنانچہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس تنظیم کو بڑے طریقے سے ترتیب دیا گیا اور یہ ادارہ بلاواسطہ وزیرِ اعظم کے زیرِ کمان ہے جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے ظاہر ہے۔

اس نقشے کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس ادارے کی تنظیم کے متعلق مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم اس کی کارکردگی کے متعلق تھوڑا سا مفصل ذکر کرنا ضروری امر ہے تاکہ بہتر طور پر سمجھ میں آسکے۔ سب سے پہلے تو یہ ادارہ غیر ممالک میں اپنے ہم خیال (ایجنٹ) لوگوں کی تلاش کرتا ہے جو کہ اسی ملک کے تنخواہ دار کارکن ہوتے ہیں۔ اور یہی کارکن (ایجنٹ) حضرات ہی اس ادارے کی کامیابی کا بڑا سبب بنتے ہیں۔

عوام کے ذہنوں میں انٹیلی جینس (INTELLIGENCE) اور جاسوسی (ESPIONAGE) کے متعلق شکوک پائے جاتے ہیں اور عام طور پر دونوں شعبے جاسوسی کے شعبے ہی تصور کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ دونوں شعبہ جات کی کارکردگی میں فرق ہے۔ اگرچہ دونوں شعبے ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اور پہلا دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ تاہم انٹیلی جینس کا شعبہ اپنے ملک کی ترقی اور سلامتی کی خاطر میزبان (HOST) ملک کے خفیہ راز اُسی ملک کے بکاؤ (ایجنٹ) لوگوں کی وساطت سے حاصل کرکے اس ادارے کو فراہم کرتے ہیں جس میں عسکری راز، صنعت و حرفت، تعمیر و ترقی، توانائی اور تجارتی یہاں تک کہ مواصلاتی نظام کے تمام تر راز حاصل کیے جاتے ہیں اور اس کام کے لیے ایمبیسی اور اس کا عملہ سرگرم عمل رہتا ہے اور یہ ایک امن کا مشن کہلاتا ہے (یعنی پُرامن مشن)۔

لیکن (ESPIONAGE) جاسوسی کے ذمہ مشکل کام اور ایسے راز معلوم کرنا ہوتے ہیں جو آسانی سے یا روپیہ پیسہ خرچ کرنے کے باوجود بھی حاصل نہ ہو سکتے ہوں۔ چنانچہ یہ شعبہ اپنا کام یا مہم سر کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً خوف و ہراس پھیلانا، منافرت، فرقہ بندی، عصبیت پھیلانا، خانہ جنگی کا بندوبست کرکے کسی ملک کی پُرسکون آبادی کو جہنم زار بنانا یہاں تک کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اہم شخصیات کے قتل سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ گویا ہر وہ کام جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر اس شعبے کے لیے جائز ہے۔ یہ شعبہ حرافہ عورتوں، فقیروں، ڈاکوؤں غرض کہ ہر شعبۂ فن کے لوگوں کو اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ چنانچہ اس شعبے کو آپ خود

ہی جو نام دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن فرنگیوں نے اس شعبے کو (ESPIONAGE) یعنی جاسوسی کا نام دیا ہے جو اپنی معنوی صورت میں ہی بڑا خوفناک نظر آتا ہے ۔

گوڈاڈیا ہوسٹل :

اس مقصد کے حصول کے لیے تجربہ کار اسٹاف کی ضرورت تھی اور حصول تجربہ کار اسٹاف یا کارکن کے لیے تربیت گاہ کا ہونا لازمی امر ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی تربیت گاہ گوڈاڈیا ہوسٹل جو کہ دارالخلافہ نئی دہلی کی ایک سمت ایک اونچی پہاڑی (انند پربت) پر واقع ہے، کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور اس طرف یکطرفہ گلی جاتی ہے۔ یہ شکستہ عمارت اپنی پہلی اور پرانی شکل میں انگریزی دور میں تربیت گاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ لہٰذا اسی خیال کی تائید میں (IB) انٹیلی جینس بیورو نے انند پربت کی اس بوسیدہ عمارت کو تربیت گاہ کے طور پر استعمال کیا جو کہ بعد میں را (RAW) ریسرچ اینڈ اینلیسز ونگ (RESEARCH AND ANALYSIS WING) کے کچھ عرصہ کے لیے زیر استعمال رہی۔

وسنت وہار ہاؤس :

جونہی را (RAW) وجود میں آئی اس کی ضروریات نے جنم لیا جس میں سب سے پہلی اور اہم ضرورت ایک عمارت کی بڑی شدت سے محسوس کی گئی۔ اس مقصد کے لیے جنوبی دہلی کے ایک رہائشی علاقے میں ایک سینما کے پچھلی طرف ایک عمارت کرایہ پر حاصل کی گئی جو کچھ عرصہ کے لیے را (RAW) کے زیر استعمال رہی۔ لیکن بعد میں یہ عمارت بھی غیر موزوں اور ناکافی ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ کی تلاش شروع ہوئی جب کہ دارالحکومت شہر دہلی میں مکانات کی پہلے سے بڑی قلت محسوس کی جا رہی تھی۔ چنانچہ اس مشکل پر قابو پانے کے لیے ایک مرتبہ پھر وسنت وہار کے رہائشی علاقہ میں ذرا کھلا مکان کرایہ پر حاصل کیا گیا جو ایک ریٹائرڈ ہوئی فوج

کے چیف کی ملکیت تھا۔ تقریباً اسی دور میں جب کہ را (RAW) کے اسکول کو تبدیل کیا جا رہا تھا، کوشش کی گئی کہ را (RAW) کی اپنی ایک گیارہ منزلہ عمارت بنائی جائے جس کے دونوں جانب چار منزلہ ضمنی عمارتیں ہوں۔ یہ خیال اس لیے اُبھرا کہ اس ادارے کی تمام برانچیں (شاخیں) ایک ہی چھت تلے موجود ہوں تاکہ ہر طرح کی سہولت مہیا ہو سکے کیونکہ ابھی تک را (RAW) کے تمام دفاتر شہر کے مختلف حصوں میں اس طرح بکھرے پڑے تھے گویا پورے شہر پر چھائے ہوئے تھے اور یہ صورتِ حال کارکردگی پر بُری طرح اثر انداز ہو رہی تھی اور متحدہ طور پر کوئی کام آسانی سے سرانجام دینے میں دشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ تنظیم کا سربراہ سنٹرل سیکرٹریٹ کے جنوبی بلاک واقع وجے چوک میں اپنے تھوڑے سے اسٹاف کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جب کہ دوسرے ملحقہ دفاتر آفس کمپلیکس کے مشرقی بلاک میں پھیلے ہوئے تھے اور اسپیشل آپریشن سیکشن راما کرشنا پورم میں جب کہ دیگر بہت سے دفاتر شہر کی ایک بہت اُونچی تجارتی عمارت میں واقع تھے۔ یہ کناٹ محل اور ایف آئی سی آئی کی عمارت تھی جس میں آج کل تاریخی عجائب گھر قائم ہے۔ یہ تمام عمارات کرایہ پر حاصل کی گئی تھیں۔ تعمیراتی کام ۱۹۷۶ء میں شروع ہوا۔ لیکن راز پوشیدہ رکھنے کے لیے یہ کام ملٹری کے سپرد کیا گیا۔

لیکن جب کانگریس آئی (اندرا گاندھی) کی حکومت کو زوال آیا اور سُرخ فیتے کی افسر شاہی ختم ہوئی تو را (RAW) کو ایک ہی چھت تلے اکٹھا کرنے کا خیال بھی ختم ہو گیا۔ مگر عمارت کی تعمیر جاری رہی اور جونہی عمارت نے سر اُونچا کیا تو زبان زدِ خاص و عام اس کے تذکرے شروع ہو گئے اور یہ عمارت جاسوسی کے اڈے کے نام سے دہلی کے لوگوں میں مشہور ہو گئی۔ چنانچہ را RAW پر دباؤ پڑا اور یہ سوال اُٹھا کہ را کو الگ عمارت میں کیوں اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ جنتا پارٹی کی حکومت کے وجود میں آتے ہی ایک شور برپا ہوا۔ چیخ پکار شروع ہو گئی اور را (RAW) پر اندرونی مداخلت اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرانے کے الزامات لگنے شروع ہو گئے۔ اور یہ سارے الزامات اندرا گاندھی پر لگائے گئے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس عمارت کو مختلف دفاتر اور

حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ اس طرح را کو ایک چھت تلے اکٹھا کرنے کا کام کچھ عرصہ کے لیے روک دیا گیا۔ اور اسی طرح را کے سرکردہ گمنام افسروں کی دانشمندانہ چالبازی کام آگئی اور آہستہ آہستہ عمارت میں بکھرے ہوئے را کے دفاتر کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ مخالفین نے محسوس کیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ مگر اُس وقت اندرا گاندھی دوبارہ برسرِ اقتدار آچکی تھی اور کانگریس دوبارہ چھا گئی جس کے نتیجے میں یہ شور بھی خود بخود ختم ہو گیا۔ لہٰذا را (RAW) کے تمام دفاتر یکجا ایک چھت کے تلے اکٹھے ہو گئے اور اصل مقصد حل ہو گیا۔

تربیت گاہ :

یہ تربیت گاہ جو کہ " ہاؤس " کے نام سے موسوم تھی اس کو پانچ اساتذہ پر مشتمل مستقل سٹاف جس میں اُن کا ڈائریکٹر بھی شامل تھا، چلاتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں تمام خارجہ انٹیلی جینس کارکنان کی تربیت اس ادارے کے سپرد کر دی گئی۔ اس میں ڈائریکٹوریٹ جنرل کی تمام ایجنسیاں بھی شامل تھیں مخصوص کورسوں کی تعلیم دلانے کے لیے متعلقہ مخصوص شخصیات کی خدمات کی جاتی تھیں۔ القصہ تمام تر تربیت گاہیں ایک ہی چھت تلے آ جمع ہوئیں۔

جاسوسی یا خفیہ حکمتِ عملی :

را (RAW) کے اساتذہ کے لیے نووارد طلبا کا صحیح انتخاب ایک بنیادی مسئلہ تھا اور اُن کا تقرر دردِ سر بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت را (RAW) میں موجود بہت سے افراد مختلف محکموں سے تعلق رکھتے تھے جس میں پولیس، (IB) آئی بی، فوج وغیرہ شامل تھے اور چونکہ یہ لوگ پہلے سے ہی اپنے آبائی دفاتر سے اپنے اپنے مختلف شعبوں میں کافی تربیت اور مہارت حاصل کر چکے تھے اس لیے انہیں خارجہ انٹیلی جینس اور جاسوسی کے شعبوں میں ذمہ داری قبول کرنے میں شامل ہوا۔ ان نوواردوں کو روس، برطانیہ اور امریکہ کے جاسوسوں کی مثالیں دی جاتیں۔

لیکن جب ہندوستانی جاسوس کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب صفر ہوتا۔ کیونکہ را (RAW) بالکل ایک نیا اور انجانا ادارہ تھا۔

پختہ کلام :

پختہ کلام کی تربیت کا طریقہ کار بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ کسی بھی تربیت گاہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ کار سے کسی ریکروٹ کو دنیا کی انٹیلی جینس اور جاسوسی کے اداروں کے متعلق واقفیت فراہم کرنا اور اُس کو جاسوسی کی افسانوی دُنیا سے الگ کرنا ہوتا ہے اور یہ ایک ہفتہ یا دس یوم کا کورس ہوتا ہے۔

یہ جاننے کے لیے کہ کوئی ریکروٹ کس قدر کامیاب ہو چکا ہے تو اس سلسلے میں مباحثے قائم کیے جاتے جس میں مختلف موضوعات زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔

ایک ہی قسم کے دو واقعات کی یکسانیت میں فرق ہو سکتا ہے کیونکہ دو مختلف تہذیبیں ایک ہی قسم کا کام اپنے اپنے مختلف طریقوں سے سرانجام دیتی ہیں۔ اسی طرح جاسوسی کے کام کا طریقِ کار ایسا ہے جو دوسرے حالات میں بالکل مختلف (بلکہ ناقابلِ عمل) ہوتا ہے۔ سی آئی اے (C.I.A) یا کے جی بی (K.G.B) یا چین کی سیکرٹ سروس (SECRET SERVICE) اور پاکستان کی انٹیلی جینس ایجنسی کے واقعات کے مطالعے سے بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کے مہمات کو سر کرنے اور مقاصد کے حصول کے اپنے اپنے طور طریقے ایک دوسرے سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔ حالانکہ سب کا مقصد ایک ہی ہے یعنی خفیہ طریقوں سے اطلاعات اور معلومات فراہم کرنا۔

تسلسل تربیت :

برطانوی انٹیلی جینس سے کچھ جملے اس لیے مستعار لیے گئے یا شاید ترکے (ورثے

میں مل گئے اور مثال کے طور پر اس لیے استعمال کیے جاتے کہ شاید یہ بہترین حوالہ جات ثابت ہو سکیں۔ مگر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ " جاسوسی کے کام کو احسن طریقے سے سرانجام دینے سے وہ خوشی نصیب ہوتی ہے جو کبھی کسی کو شادی کے موقع پر ہی حاصل ہوتی ہے " اور یہ خوشی عام آدمی کو زندگی میں صرف ایک ہی بار حاصل ہوتی ہے۔ اگر اچھی کہانی تیار نہ کی جائے تو سارا کام بے کار ہو جاتا ہے اور ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے۔

ایک نو وارد دس یوم کی محدود مدت میں صرف چند ایک طریقے یا ہنر سیکھ سکتا ہے جنہیں کہ اس نے اپنی عملی زندگی میں زیرِ عمل لانا ہوتا ہے۔ اُسے اِس بات سے روشناس کرایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ملک کے دوست اور دشمن میں تمیز کر سکے اور اس کو یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ انٹیلی جینس ادارہ کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ دوست اور دشمن میں فرق ظاہر کرے۔ بلکہ اِس بات کا اندازہ ملک کی خارجہ پالیسی سے لگانا ہوتا ہے۔

اس کے دوسرے کورس کی ابتدا اس کام سے ہوتی ہے کہ اُس کو رواجی معاملات و معمولات، فارم، اطلاعات کی درجہ بندی یا اُونچ نیچ اور محکمہ جاتی بولیوں اور اشارے کنایوں سے روشناس کرایا جائے کیونکہ اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں اس حد تک اس کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ بعد میں سپیشل اور خصوصی تربیت میں جو کہ اُس کے سامنے آنے والا ہے اُس سے آگاہی حاصل ہو جائے۔ سب سے پہلے اُس کو اس بات سے آگاہ کیا گیا تھا کہ جب قومی سلامتی کا مسئلہ درپیش ہو تو بلاامتیاز سرکاری مشینری کے کارکنوں کے عہدے کا لحاظ کیے بغیر سُرخ فیتا کیسے کاٹا جاتا ہے یعنی حالات پر قابو کیسے پایا جاتا ہے۔

اُس کی تربیت کا دوسرا حصہ شہر سے دُور جنگلوں میں کسی بارڈر کے ساتھ ساتھ ایف آئی بی (FIB) سیل آفیسر زیرِ نگرانی مکمل ہوتا ہے اور یہ سیل آفیسر (FIB) کے رابطے کی حیثیت سے مقرر ہوتا ہے اور یہ کورس چھ ماہ سے ایک سال کے عرصے میں مکمل ہوتا ہے۔ یہاں پر آ کر اسے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور خفیہ مہمات جو کہ او۔ ایس۔ او (OSO) سپیشل بیورو (SB)

کے زیر نگرانی سر کی جاتی ہیں اُس کی کیا اہمیت ہے۔ رات کی مشقوں میں بارڈر کے پہرے داروں سے بچ بچا کر خاردار تاروں کو پار کیا جاتا ہے۔ یہ سب عمل سپیشل سروس بیورو جو کہ خفیہ تنظیم کا ہی ایک ادارہ ہے، کی سرکردگی میں مکمل کیا جاتا ہے۔ یہ تنظیم بارڈر کی حفاظت کرتی ہے۔ اگرچہ ان کو بارڈر کے محافظوں سے بچنے اور قابو نہ آنے کی کوشش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ تاہم یہ اُن کی ابتدائی سیڑھی ہے کہ وہ پکڑے جاتے ہیں اور ان پر محدود پُرزور سوالات کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ یہ نقلی مشق اُن کی تربیت کا جزو لازم ہے۔ ایسی مشقوں کے لیے جہاں جاسوسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ شہروں اور قصبوں کے قریب کے علاقے کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اُن کی تربیت کا دوسرا مرحلہ مصنوعی دشمن کے فوجی علاقے میں آپس میں ملاقات کرنے کے طریقے بتانے سے شروع ہوتا ہے اور ایسی ملاقات کے لیے کوئی محفوظ مقام کا انتخاب کیا جاتا ہے تاکہ وہ دشمن کے علاقے کا بغور جائزہ لینے کے بعد اور طے شدہ پروگرام کے مطابق صحیح وقت پر اکٹھے ہوسکیں۔ بعض اوقات ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والے وہ لوگ جو ان کی تربیت کے پروگرام سے نابلد ہوتے ہیں۔ ان کو پکڑ کر اور مشکوک جان کر مقامی پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں جن کو ان کی تربیت کا کوئی علم نہیں ہوتا اور ایک آدھ رات جیل میں بھی گزارنی پڑ جاتی ہے۔ ایک استاد نے بتایا کہ چند ایک نوواردوں (ریکروٹوں) کو ضمانت سے پہلے اس قسم کی مصیبت سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔

ایسی مصنوعی تربیت اور اس قسم کے حادثات سے ریکروٹ کو سبق حاصل ہوتا ہے کہ اسے جنگ کے دوران کس کس قسم کے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بارڈر کے علاقوں میں ان کی یہ تربیت اُن کو صحیح سوچ بچار کے اہل بناتی ہے۔ ہندوستان کے شمالی جنوبی اور مشرقی بارڈر کے علاقے ایسے کاموں کے لیے بے حد موزوں ہیں۔ شہروں میں تربیت مکمل ہونے کے بعد اُس کی تربیت کا دائرۂ عمل تبدیل کر کے اُونچے درجے میں پہنچ جاتا ہے جس میں کہ اس کو اُونچے اُونچے پہاڑوں، گہری وادیوں اور ہمالیہ کے برساتی جنگلوں، ہندوستان کے مشرقی علاقے میں مشقیں کرائی

کو اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ وہ کس قدر تربیت یافتہ ہیں کیونکہ ظاہری طور پر بالکل معصوم دکھائی دیں گے مگر اُن کے پاؤں کی لگاتار جنبش اُن کی کامیابیوں اور قابلیت کی کہانی بیان کر رہی ہوتی ہے۔ پھر اُس کے بعد میں ہم اُن کو فائنل مرحلے کے لیے گفتگو میں پختگی پیدا کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔

نیا تصور :

را (RAW) کے تربیتی کورس کو ۱۹۷۰ء کے بعد بڑی جانچ پڑتال کرنے کے بعد تھوڑا سا تبدیل کر دیا مگر ابتدائی اور بنیادی اصول ویسے کے ویسے رہنے دیے۔ یہ ۱۹۷۰-۷۹ کے آغاز کا دور تھا جب سنئے خیال نے جنم لیا۔ ایسے لوگوں کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کے علاوہ (یعنی جو لوگ پولیس اور انٹیلی جینس بیورو سے لیے جاتے) وسیع تعداد میں سول محکموں کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور اعلیٰ عہدوں پر فائز افسروں، ہنرمندوں، ہوائی فوج اور الیکٹرانک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بھی را (RAW) میں تقرر کیا گیا۔

پیشہ ور اپنے اپنے شعبے میں ماہر تو تھے ہی، مگر پھر بھی اُن کو مختصر عرصے پر محدود تربیت دی جاتی جس سے اُن کی ذہانت کو جلا ملتی اور وہ متعلقہ خبریں اور اطلاعات اکٹھا کرنے کی صلاحیت کے مکمل طور پر قابل ہو جاتے۔ اسی طرح سے تربیتی کورسوں میں مناسب تبدیلی لائی گئی تاکہ یقینی طور پر مناسب اور کارآمد مواد مہیا ہو جو کہ اُن کے پیشے کے لحاظ سے موزوں ثابت ہو۔

" THE NEED TO KNOW " یعنی واقفیت حاصل کرنے کے اصول بار بار دہرائے جاتے تاکہ اُن افسران کے ارتقائی اور سطحی تعلقات اپنے ہی دفاتر سے (جہاں کہ وہ خود سروس کرتے ہیں) قائم رہیں۔ انٹیلی جینس ادارے کا تعلق محض سطحی تصور کیا جاتا۔ اس سے پیشتر ادارے کی انتظامی صلاحیت اور سنئے تخیلات تک پہنچ کا فقدان تھا جسے اس تربیتی پروگرام نے ایک ناقابلِ فراموش جلا بخشی اور ہر کمی کو پورا کر دیا۔ اطلاعات کا تجزیہ کرنا صرف ہیڈ کوارٹر

فہرست مضامین

۱ - بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ

۲ - بنگلہ دیش میں ’را‘ کی سرگرمیاں

۳ - افغان مجاہدین کے خلاف ’را‘ کی سرگرمیاں

۴ - ’را‘ کیسے وجود میں آیا؟

۵ - عسکری خفیہ ادارہ

۶ - را کی ذمہ داریاں

۷ - خفیہ حکمت عملی

۸ - ادارہ جاسوسی

۹ - گوڈاڈیا ہوسٹل

۱۰ - وسنت وہار لاڈس

۱۱ - تربیت گاہ

۱۲ - جاسوسی یا خفیہ حکمت عملی

۱۳ - پختہ کلام

۱۴ - تسلسل تربیت

۱۵ - نیا تصور

۱۶ - جاسوسی

۱۷ - کارگزاریاں

۱۸ - بے اصل داستان یا باطل خیال

۱۹ - اطلاعات کی بہم رسانی

جاتی ہیں اور یہ مرحلہ ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو (OSO) کے پیشل سیکشن میں متعین کیے جاتے ہیں۔ شہری اور جنگلی علاقوں میں تربیت مکمل کرنے کے بعد اُن کو آخری مرحلے کے لیے واپس لاکر اُن کی ذہنی نشوونما کو جلا دی جاتی ہے اور اس مرحلے کو پہلے لوگ جو اس دَور سے گزر چکے ہیں ذہن کی صفائی (BRAIN WASH) کا نام دیتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر ریکروٹ مکمل تربیت حاصل کر کے عملی زندگی میں قدم بڑھاتا ہے اور انٹیلی جینس اوپریٹو کی حیثیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

یہاں پر اُس کو ایسے دَور سے بھی گزرنا پڑتا تھا کہ اُسے [illegible] ملک میں تقرری مل جائے تو وہاں سے ایجنٹ کو خریدنے اور اس کی تربیت کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ عام طور پر صحیح خطوط پر استوار کی ہوئی (انٹیلی جینس تنظیم) خفیہ تنظیم کا ایجنٹ اپنے معمولات اور روزمرہ کی ڈیوٹی معمولی ذہانت کی بنا پر آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ مخصوص انداز میں اس کو جو ابتدائی تربیت دی گئی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو ایسے پھندوں سے روشناس کرایا جائے جو کہ ایمرجنسی (جنگ) کے دوران حفاظتی دستے بچھاتے ہیں اور اُن سے بچ کر اپنی مخصوص جائے ملاقات پر باحفاظت طریقے سے کیسے پہنچا جائے جب کہ سخت نگرانی کا عالم ہو۔ اور اگر اُس کو ایسے معاملات میں اُلجھایا جو کہ ایک پیشہ ور خدمات کا حصہ ہیں تو پھر وہ ایجنٹ ہاتھوں میں نہیں رہے گا کیونکہ یہ چیز ایک ایجنٹ کے لیے ضروری نہیں کیونکہ اس قسم کا جاسوس مخفی انداز میں نہیں رہ سکتا اور اپنے مقاصد تک پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار ہو سکتا ہے۔

یہاں تک اس کی ذہنی صفائی اور قربانی کا جذبہ ودیعت کرنے [illegible] تربیت مکمل ہو گئی۔ اب وہ ارتقائی بلندیوں کو کامیابی سے سر کرنے اور ہر معاملے کو صحیح سمت میں سوچنے اور سلجھانے کے قابل ہو گیا۔ جیسا کہ را (RAW) سکول کے ایک انسٹرکٹر نے بیان کیا کہ جب [illegible] [illegible] تربیت سے فارغ ہو کر [illegible] تے ہیں تو [illegible] [illegible] قدر خود اعتمادی آ چکی ہو جاتی ہے کہ جب [illegible] کے سامنے مجھے [illegible] [illegible] [illegible] کتنا ہی کیوں نہ جھانک کر دیکھ لیں [illegible]

کی ذمہ داری تھا مگر دوسرے کام کے طریقے ویسے ہی رہنے دیے ۔

اس کے بعد عملی تربیت کا کام سیکھنے کے دوران ایک تجربہ کار اُستاد سے حاصل کی جاتی۔ تربیت کا طریقہ کار اس طرح سائنسی طریقے پر لاکر اپنی منزل کا رُخ موڑ دیا۔ بیرونی ممالک کے تربیت یافتہ انٹیلی جینس اوپریٹو (جاسوسی افسر) کسی طرح بھی خود کو ڈیسک آفیسر کے مددگار سے کم نہ سمجھتا۔ بالکل انہی لوگوں کی مانند جنہیں مختلف شعبوں میں خصوصی تربیت فراہم کی گئی۔ پہلے پہل اُس کو کم اہمیت کے علاقے (ڈیسک) میں متعین کیا جاتا ہے اور اس اہمیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ کسی ملک سے ہندوستان کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں۔ گویا جس ملک کے تعلقات ہندوستان کے ساتھ جس قدر زیادہ خراب ہوں۔ اس ملک کو اتنی ہی زیادہ (PRIOYITY) اہمیت دی جاتی ہے ۔ اور دوسرے خود کو کیس آفیسر محسوس کرتے اور ان دونوں کا ابطائی عرصہ دو سال سے زائد نہیں ہو سکتا۔

جاسوسی :

ایک مرتبہ جب اس میدانِ عمل میں قدم رکھا تو اسٹیشن چیف کے زیر سایہ مہمات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چاہے سرکاری وردی میں ہو یا بھیس بدل بدل کر وقت کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں اور سفارت خانہ بھی اس کی پُشت پناہی کرتا ہے اور جب ضرورت پڑے پوری پوری مدد کرتا ہے۔ اب اُسے اپنے سفارت کاروں اور اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ بیرونی سفارت کار اور کارکنوں کے مذمت آمیز رویے سے اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ را (RAW) تنظیم کے کارکن اور بیرونی سفارت کار اپنے کام میں اس قدر مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے اس قدر محتاط رہتے ہیں کہ آپس میں مصافحہ کرنے کے فوراً بعد ہر شخص اپنی اپنی انگلیاں شمار کرنے لگتا ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی انگلی غائب تو نہیں ہو گئی۔ یہ ایک اعلیٰ فنی مہارت کا نمونہ ہونے ہیں۔

اُس کا اہم ترین کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف ذرائع سے اطلاعات فراہم کرتا ہے اور دوست ممالک سے تعلقات استوار کرتا ہے اور مخبروں سے اطلاعات موصول کرتا ہے۔ اِس مقام پر اُسے پہلی بار معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک خاص مہم کو کس طرح سے سرانجام دیا جاتا ہے۔

کارگزاریاں :

اکثر و بیشتر انٹیلی جینس اداروں کا ذاتی طور پر طریقۂ کار تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ ریذیڈنٹ (پولیٹیکل ایجنٹ) جس کا تذکرہ حال ہی میں ہوا ہے۔ روایتی طور پر کسی جاسوسی (OPERATION) مہم کا اصل محرک اور مددگار ہوتا ہے۔ وہ یعنی ریذیڈنٹ اپنی مہم کا آغاز قریبی علاقے سے کرتا ہے۔ لیکن اُس کا اس (OPERATION) سے قریب رہنا ضروری نہیں۔ کسی مہم کا آغاز مصر میں کیا گیا ہے تو وہ بیروت یا بغداد میں قیام پذیر ہو کر بھی اُس مہم کی نگرانی بآسانی کر سکتا ہے۔ ملک میں وہ قانون شکنی نہیں کرتا۔ کیونکہ اُس کو مکمل طور پر قانونی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مالی طور پر مستحکم، سماجی طور پر علاقے میں مقبول ہوتا ہے۔ اور پھر ہندوستان کا شہری جو ٹھہرا۔ وہ بھیس بدل بدل کر وارداتیں سر کرنے میں نہیں اُلجھتا۔ بلکہ میدانِ عمل میں وہ (OPERATIVE) یعنی وہ افسر جو مہم چلاتا ہے اور ایجنٹ کا درمیانی بلاواسطہ رابطہ ہوتا ہے اور اسی طرح کیس آفیسر (یہ وہ افسر ہوتا ہے جس کے پاس کسی مہم کا مکمل ریکارڈ ہوتا ہے) اور اسٹیشن چیف سے بھی اُس کا رابطہ ہوتا ہے۔

کیس آفیسر (CASE OFFICER) کا کام اور ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ریکارڈ ترتیب دیتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ کسی پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہے اور پھر اس مہم کی کارکردگی کی نگرانی کرے، وہ حساب کتاب درست کرنا۔ اس کے علاوہ وہ میدانِ عمل میں اوپریٹو سے قریبی رابطہ رکھتا ہے۔ بعض اوقات اس سلسلے میں کبھی کبھار اسے مخصوص ایجنٹ کی مدد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ (یہ مخصوص ایجنٹ اُس ملک کا باشندہ ہوتا ہے۔ جس

ملک میں جاسوسی کا جال پھیلایا جائے اور یہ ایجنٹ جاسوسی کی تربیت سے پوری طرح آراستہ ہوتا ہے)۔ ایجنٹ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی اطلاعات فراہم کرے جس کی کہ کیس آفیسر کو اپنا ریکارڈ مکمل رکھنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا کام کرنے کے لیے کیس آفیسر ذاتی طور پر یا بلاواسطہ پرنسپل ایجنٹ کی وساطت سے ایجنٹ تیار کرتا ہے جسے جاسوس کہتے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ جاسوس (ایجنٹ) ہے جس کا ہر عمل ملکی قانون شکنی کے مترادف ہوتا ہے اور کسی بھی (OPERATION) مہم کی تکمیل کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔ ایجنٹ اسی ملک کا باشندہ ہوتا ہے جس ملک کی جاسوسی کرتا ہے۔ سماجی حلقوں میں اس کو ملک دشمن کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کام کے لیے (جاسوسی کے لیے) اُس کو تربیت دی جاتی ہے۔

اس خریدے ہوئے ایجنٹ سے وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت فوری طور پر بھی کام لیا جا سکتا ہے اور یا اسے عرصۂ دراز کے لیے بھولا بھی جا سکتا ہے۔ اس بات کا انحصار نئی دہلی میں را (RAW) کے چیف سربراہ کے فیصلے پر ہوتا ہے۔ اس خریدے ہوئے ایجنٹ (جاسوس) سے اگر قطع تعلق بھی کر لیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر دوسرے جاسوس اور ایجنٹ حضرات جن کو سفارتی سطح پر پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ بانڈا پھوٹ جانے کی صورت میں اُس ملک میں ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر وہاں سے نکالا بھی جا سکتا ہے جس سے مہم (یعنی جاسوس) کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

ریذیڈنٹ کا کام ایجنٹ اور جاسوس کے درمیانی رابطے اور خود کو سامنے لانے سے احتراز کرنا اور اپنی ذات کو ایسے مواقع سے محفوظ رکھنا کہ اس پر شک نہ کیا جا سکے۔ خود پس پشت رہتا ہے اور اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو ایسے حالات کا خاتمہ کرتا ہے۔ ایک وقت میں ایک مہم سے زیادہ کا آغاز نہیں کرتا۔ بالخصوص حفاظتی اقدام کے تحت (OPERATIONS) مہمات کی تعداد محدود ہوتی ہے تاکہ اگر کسی خاص مہم جوئی کے وقت اگر کسی وقت راز افشا ہو جائے

تو کم از کم ایک ہی مہم متاثر ہوگی۔

پرانا نظام جاسوسی آج مناسب نہیں سمجھا جاتا (حالانکہ اکثر ممالک اب بھی اسی کی تقلید کرتے ہیں) اور یہ نظام زیادہ تر دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ اور جرمن ایجنٹوں پر پھیلا ہوا ہے اور اس نظام نے اُن ممالک کو بہت نقصان پہنچایا تھا کیونکہ اس نظام جاسوسی میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر ایک جاسوس پکڑا جائے تو اس کی وجہ سے دوسرے جاسوس بھی پکڑے جا سکتے ہیں اور ایسی صورت میں آدمیوں کی اور متعلقہ جات کی صورت میں کافی بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ آج سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس نظام نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے نظام جاسوسی کو تیسرے درجے کا نظام تصور کیا جانے لگا ہے۔ طریقۂ کار تبدیل ہونے کی وجہ سے ایک ہی ایجنٹ اب بھی میدانِ جنگ میں موجود رہتا ہے اور جتنا وہ کم علم رکھتا ہو اُسی قدر ہی اُس ملک کے مفاد میں ہے جس میں کہ اس کو مقرر کیا گیا۔

بے اصل داستان یا باطل خیال :

ایک ایجنٹ یا جاسوس کی مصنف کے لیے جو کہ جاسوسی کے قصے کہانیاں لکھتا ہے بالخصوص اپنے فرائضِ منصبی کے پیشِ نظر ایک ناقابلِ اعتبار اکائی تصور کیا جاتا ہے۔ اس خیال سے کہ وہ جو کچھ جاسوسی کے کام کرتا ہے دوسروں کو اس سے باخبر رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ایسا شخص نہ تو اعلیٰ درجے کا ایجنٹ ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا سنگدل ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس نے کیا اور یا یہ چاہے کہ اپنی اعلیٰ کارکردگی کو اندھیرے میں رکھے جس میں خود اُس کی ذات چھپی رہے۔ درحقیقت ایک اچھے جاسوس کی خوبیاں بالکل اس کے برعکس اور مختلف ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے تو اُس کی یہ قابلیت کیا کم ہے کہ جس کام کے لیے اس کو منتخب کیا گیا ہے وہ اپنی منزلِ مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچنے کے لیے اور مقاصد کے حصول کے لیے کن دشواریوں سے گزر کر کامیابی حاصل کرتا ہے لیکن جب تک وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا اُس کا کچھ فائدہ نہیں۔

یہ باطل عقیدہ ایک اور حقیقت سے ختم ہو جاتا ہے۔ جب کہ یہ معلوم ہوا کہ ضروری نہیں جاسوس ایجنٹ اُسی ملک کا باشندہ ہو جس ملک کے لیے جاسوسی کی جاتی ہے وہ کسی بھی شہریت کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس کا انتخاب بطور جاسوسی ایجنٹ اس نظریے سے کیا جاتا ہے کیونکہ اُس میں ہر ممکن طور پر یہ صلاحیت محسوس کی جاتی ہے کہ وہ آسانی سے مقصود حاصل کر سکتا ہے اور اپنی منزل طے کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی جاسوس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ پاکستان کی ایٹمی توانائی کے دفاتر میں کام کرنے والوں کے ساتھ گھل مل کر ایٹمی بم کی تیاری کے متعلق معلومات حاصل کر سکے۔ یہ کام ایک پاکستانی ہی کر سکتا ہے یا پھر کوئی دوسرا غیر ملکی جاسوس جو کہ اُس عملے کے ساتھ کام کر رہا ہو۔

اس حقیقت نے سب کو منوا لیا ہے کہ ایسا ایجنٹ دوسرا جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔ (جو بیک وقت دو مختلف جاسوسی تنظیموں کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے) کیونکہ اس کی اپنی اصلیت ایک جاسوس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ وہ ہوا کرے مگر اس کے برعکس وہ بے کار بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک جاسوسی تنظیم اسی وقت ہی دوسرا ایجنٹ حاصل کرتی ہے جب کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہا۔

اس سے قطع نظر کہ ایک جاسوس "بھاڑے کا ٹٹو" سمجھا جائے جس کو کہ اس کا اپنا کیس آفیسر ہیڈ کوارٹر سے کنٹرول کر رہا ہو اور وہ اس علاقے میں متعدد اسٹیشن چیف آفیسروں کے زیر کمان ہو۔ مگر پھر بھی اُس کی موجودگی کے متعلق کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا ماسوائے ایسے حالات کے جب کہ اس کو کسی جگہ کے لیے پابند کیا جائے۔ اُس کے دھندے بڑے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوتے ہیں جس کے لیے اُس کو عام حالات میں دوسرے ایجنٹ جاسوس وغیرہ کی مدد کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بعض اوقات وہ ایسا بھی کرتا ہے۔ مگر اس کا تعلق ایسے ایجنٹ سے اپنے ہی ملک محدود ہوتا ہے اور اپنے ملک سے روانگی سے قبل وہ اپنے کیس آفیسر سے تبادلۂ خیال بھی کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا طریقہ کار محفوظ ہے اور اسے پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ اس حد تک کہ وہ وہاں

موجود ہے (یعنی اپنے مخصوص علاقے میں) کیونکہ اس کی روایتی مصروفیت اُس کو وہاں رُکنے پر مجبور کیے ہوئے ہے۔ ایسا آدمی (ایجنٹ) کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ ایک طالب علم ہو یا ٹریول ایجنٹ۔ ایک اخبار نویس ہو یا کسی فضائی کمپنی کا ملازم ہو۔ ایک تاجر ہو یا ایک ہنر مند۔ اس کے طریقہ کار میں کسی خاص اطلاع کے حصول کے لیے سیاسی صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کچھ تبدیلی بھی آسکتی ہے۔ اس کے اقدام کے طریقے پہلے سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ ہر حالت میں اس کو کچھ نہ کچھ ادا کیا جاتا ہے تاکہ اس کا تعلق اپنے کیس آفیسر سے اپنی صورت میں قائم رہے۔ ریکارڈ پر اس کو اس کے مخصوص نام سے پکارا جاتا ہے۔

جاسوسی میں کامیابی ایثار اور ترغیب سے حاصل ہوتی ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ مگر یہ سوال اپنی جگہ مسلّم حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ لوگ آخر کار جاسوسی پیشہ کیوں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کا جواب ایک محبِ وطن جذبات رکھنے والے فرد سے یوں ملا کہ ایک شخص جس کو اس بات پر ایمان ہے کہ اس کی زندگی کو بقا ملے گی وہ جاسوس بن جاتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جس کا ایمان صرف روپیہ پیسہ کمانا ہے جاسوسی کو اپنا پیشہ بنا لیتا ہے۔ لیکن اس میں پہلا جذبہ ہمیشہ کار فرما رہتا ہے۔ حُب الوطنی کا جذبہ رکھنے والے کو کسی قسم کی تربیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ جذبہ بذاتِ خود انسان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں سمو دیتا ہے۔ اس کے کارنامے ایک پیشہ ور جاسوس کی نسبت محدود ہوتے ہیں۔ اور یہی پیشہ ور جاسوس ہے جس کو اس میدان میں تربیت سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ پھر بھی وہ ایک ہی وقت میں اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ کسی ملک کی جاسوسی مہم کو پوری طرح دریافت کر سکے کیونکہ اس کے بنیادی اصول اور کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مواد اکٹھا کرے۔ یہ جاننے کے لیے کہ اصلی وجوہات کیا ہیں۔ اس بڑی حد تک کئی مختلف شعبوں میں بٹے ہوئے نظام میں مختلف ادارے شامل ہوتے ہیں جن کے چنے اپنے فرائض ہوتے ہیں۔ "اصول" صرف اوپریشن فیلڈ تک ہی کو محدود نہیں رکھتا۔ بلکہ میدان عمل میں انسرا علی تک کو بھی اس کا پابند

رہنا پڑتا ہے۔

ایک اعلیٰ تربیت یافتہ آفیسر جب کیس آفیسر کی حیثیت میں الگ ہوتا ہے تو اس کو جانباز جاسوسوں سے الگ دُور رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے تاکہ کسی اپریشن (مہم) کی ناکامیوں کی خبر سے اُن کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ کیونکہ اکثر اوقات پچھلے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ ایسے لوگ ناکامی کی صورت میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ عموماً ایسے افراد ہی آئیڈیل ایجنٹ تیار کرتے ہیں۔ اس طرح ایک ایجنٹ کی تربیت سے بہتر ہے کہ ایک تربیت یافتہ ایجنٹ ہی خرید لیا جائے۔ بجائے اس کے کہ اس کو ہر کام کے لیے ادائیگی کرنی پڑے ایک ہی مرتبہ مناسب ادائیگی کر کے کم خرچ بالا نشین کے فارمولے پر عمل کرنے سے بہت فائدہ پہنچتا ہے اور محدود رقم میں کافی کام لیا جا سکتا ہے اور اس طرح سے ایجنٹ اپریٹو آفیسر پر پوری طرح اعتماد بھی رکھتا ہے اور دست نگر بھی۔

بعض اوقات کسی اپریشن (مہم) کے دَوران خاص اطلاعات حاصل کرنے کے لیے مزید روپے کا لالچ یا بونس کا سوال بھی اٹھایا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں غلط خبر رسانی کا لالچ بھی آڑے آ سکتا ہے۔ لہٰذا خواہش پوری کر دی جائے تو بہتر ہے تاکہ صحیح صورتِ حال سے آگاہی مکمل طور پر حاصل ہو سکے۔ ایسا موقع بھی آ سکتا ہے کہ ایجنٹ دھمکیوں پر اُتر آئے۔ اس کے دل پر جذبات سوار ہو جائیں حالانکہ اس کو آپ نے تربیت دی تھی اور دوبارہ رابطہ قائم نہ کرے تاکہ آپ کو کوئی اطلاع موصول نہ ہو سکے۔ وہ رُوٹھ سکتا ہے اور آپ سے اختلاف رکھ سکتا ہے۔

یہ اطلاع (خبر) کی صحیح قیمت لگانا ایک خاص اہمیت کا حامل کام ہے۔ اس بات کا دارومدار چند ایک مخصوص اصولوں پر ہوتا ہے۔ اطلاعات کی اصل درجہ صرف اُس کو معلوم ہوتی ہے جو ایجنٹ بھرتی کرتا ہے۔ اکثر اوقات یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ رقم کی ادائیگی ایسی اور اس طریقے سے کی جائے کہ ایجنٹ کی خفیہ آمدنی کی مقدار اس قدر زیادہ نہ ہو جس قدر کہ اُس کو اس کی

ملازمت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنے سربراہ کی نظروں میں آسکتا ہے۔
اس کی تربیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل تک پہنچنے کے قابل بنایا جائے اور
جس قدر عرصہ دراز تک اپنی نوکری پر فائز رہے گا اُسی قدر وہ زیادہ سُودمند ثابت ہوگا۔ اس طریقہ پر
اس کو رقم کی ادائیگی کی جائے تاکہ وہ اپنی آمدنی اور خرچ کا پلّہ برابر رکھ سکے۔ اس کے علاوہ بلیک میل
کرکے اطلاعات حاصل کرنے کے طریقے پُرانے ہو چکے ہیں ہاں مخصوص حالات میں وہ بھی روا ہیں۔
بہت تھوڑی ایجنسیوں نے آخر کار اس طریقے کو خصوصی طور پر اپنا لیا ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ یہ
اُن کی اُونچی سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اِس لیے کہ اس طرح سے ادائیگی کا توازن درست رہتا
ہے۔ وسیع النظری یا دھمکی دینا ایجنٹ کو معاندانہ رویّہ کی طرف لے جائے گا۔ نتیجتاً وہ اس
علاقے کو چھوڑ دے گا جس کا حاصل صفر ہو سکتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں کہ
دھمکی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ایسے طریقے کئی ایجنسیوں نے اختیار کر رکھے ہیں
جسے سب جانتے ہیں۔ جیساکہ سی آئی اے (C.I.A) ، کے جی بی اور ایس آئی ایس کے
متعلق معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے فنڈز اکٹھے کرکے چکلے چلائے ہیں۔ اِس مشق سے اصل مقصد
پھر بھی حاصل نہ ہو سکا کیونکہ وہ ایجنٹ جس پر کہ دارومدار تھا اصل مقصد سے ہٹ کر عصمت فروشی
کے دھندے میں اُلجھ کر رہ گیا۔ ایسے موقع پر کس سے اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ متوقع راز باتوں
ہی باتوں میں اُگل دے گا۔ لیکن اس کے بجائے کہ وہ حمایتی بنتے اُلٹا دھمکی اور مصیبت کا باعث
بنے۔ توقعات تو کسی سینئر ملازم جیسے کوئی MP یا کسی وقت کوئی وزیر بھی ہو سکتا ہے ، سے
وابستہ کی جاسکتی ہیں جو کہ کم از کم کسی خطرے کا نشان تو نہ بن سکے۔

ا۔ا (RAW) نے ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ (تاہم جس قدر کہ کوئی پسندیدہ طریقہ
نظر آیا اس کو اپنا لیا)۔ ایک مرتبہ اُن پر بھی چکلے چلانے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ مگر مجھے بعد میں
خصوصی ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ الزام حقیقت پر مبنی نہیں اور غلط تھا۔ لیکن پارلیمنٹ میں یہ بڑی
حد تک ممکن نہیں کہ جس قدر مخالفت کی جائے اُسی قدر اس کو حمایت حاصل ہو۔

کئی ایسے ممالک جہاں کہ جنسی شہوانیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے وہاں کے لڑکے اور لڑکیوں سے خارجہ دفاتر میں کام کرنے والے لوگوں کو ایسے ماحول سے دُور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ تو کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایسے لالچ کے جال میں پھنسے گا۔ پھر بھی ایسے احمقوں کی کمی نہیں۔

جاسوس یا ایجنٹ ان کو کہہ سکتے ہیں یہ کہانی کا ایک حصہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور رابطہ بھی ہے جو بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہ بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ یہاں اسٹیشن چیف (جاسوسی ادارے کا سربراہ) ایک بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ رابطہ اطلاع پہنچانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ تاہم اس پر عمل کرنے کے لیے وہ اپنی مرضی کا مالک نہیں ہوتا۔ اس میں مشن کے سربراہ کی مرضی شامل ہوتی ہے۔ کسی جگہ کی طرح سادھو لوگ بھی میدانِ عمل میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس دائرے میں را (RAW) کو کئی ایک مواقع پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ لوگ را (RAW) افسروں کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ناکارہ ہیں ان میں دفاترِ خارجہ کے ارکان ہیں جو کہ حالات کو اس کے برعکس پاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال مین اس وقت واقع ہوتی ہے جب دو اہلکاروں پر ذمہ داری کی افتاد پڑتی ہے۔ ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ اسٹیشن چیف اور سفیر کا قریبی رابطہ ہوتا ہے، لیکن یہ ایک گزرا ہوا خیال سمجھا جاتا ہے۔ تعاون کی کمی نے کئی حالات میں تقویت بھی بخشی ہے۔ آئی ایف ایس کا کردار اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے سفارت کار جاسوسی کے کام اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر بھی کہ ان کو براہِ راست اس کام میں اُلجھایا جائے۔ کسی ملک میں سفارت خانوں کی وساطت سے اس ملک کی انٹیلی جینس ایجنسیوں کی بجائے مختلف سیاسی شخصیات سے کھلے بندوں تعلقات استوار کر کے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی نیا تصور نہیں۔ کئی ایک اداروں کو ان کی سفارت گاہوں کی وساطت سے فنڈ مہیا کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سفارت خانہ اپنے طور پر بھی کئی طریقے اور ذرائع رکھتا ہے۔ سفارت خانے کی وساطت سے ایسے دروازے [illegible]سانی سے [illegible]لے جا سکتے ہیں جو کبھی نہ کھل سکتے ہوں۔

۲۰- ضمنی سراغرسانی
۲۱- افواہیں پھیلانا
۲۲- خصوصی مہمانات
۲۳- بنگلہ دیش کا وجود
۲۴- مہم کا آغاز
۲۵- ابتدائی رپورٹ
۲۶- اگرتلہ سازش
۲۷- را کی تحریک کا آغاز
۲۸- مشرقی پاکستان کے لیڈروں کے مطالبے
۲۹- انتخابات کا وعدہ
۳۰- عوامی لیگ نے انتخابات اکثریت سے جیت لیے
۳۱- را کے اندازے
۳۲- مجیب کی گرفتاری اور تاجدین کی نقل مکانی برائے کلکتہ
۳۳- مکتی باہنی
۳۴- پاکستان نے اعلان جنگ کر دیا
۳۵- ہنگامی اقدام
۳۶- قتل شیخ مجیب
۳۷- ضمنی انقلاب
۳۸- سکیم کی فوجی مہمات
۳۹- سکیم کا ہنگامہ

اطلاعات کی بہم رسانی :

ایک ایجنٹ کو تیار کرنے کے بعد اطلاعات کو اس سے وصول کر کے آگے (PRINCIPALS) بڑے اہل کاروں تک پہنچانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کام کے لیے ایک ہرکارہ مقرر کیا جاتا ہے جو کہ وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ صحیح مقامات پر پہنچ کر اپنی ڈیوٹی ادا کر کے واپس لوٹتا ہے۔ اس کا کام ایک ڈاکیے سے مشابہ ہے۔ بعض اوقات وہ ایسے کاموں کے لیے ڈیڈ لیٹر بکس بھی استعمال میں لاتے ہیں جو کہ ایک مخصوص جگہ پر تعین ہوتے ہیں۔ اس ہرکارے کو اوٹ کٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ ایجنٹ کون ہے اور خبر کیا ہے۔ بس اپنے کام سے واسطہ رکھتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ ایجنٹ معیار پر پورا اُترے۔ تاہم اس سے قریب ترین رابطہ رکھنے سے جاسوسی کے کام کی کامیابی ہے۔ ہر ملک کے انٹیلی جینس ادارے کا طریقہ کار تقریباً یکساں ہوتا ہے مگر جاپان اور روس کی (KGB) میں معمولی فرق ہے۔ اور جاسوس ہی کی کارکردگی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ پاکستان کی انٹیلی جینس تنظیم کئی بار ہندوستان میں ناکام ہو چکی ہے اور اُن کی ناکامی کے متعلق بھی صحیح اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے۔ منزل یا نشانہ جسے اس تنظیم میں کیا جاتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال اس تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ خاص ملک میں خاص اطلاع وصول کرنا ہی منزل نہیں، جیسا کہ پاکستان میں ایٹمی توانائی کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کے لیے ایسے یورپین ممالک سے بھی یہ معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں جو پاکستان کو اس میں مدد فراہم کر رہے ہیں۔ نشانہ چاہے پورا ملک ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس کو صحیح انداز سے بنگلہ دیش کے اپریشن سے پرکھا جا سکتا ہے جو کہ را (RAW) کا کارنامہ ہے۔ یہ بھی ایک بہت وسیع و عریض جغرافیائی خطہ بن سکتا تھا جیسا کہ آج کل گلف میں ایران اور عراق کی جنگ وجہ رکاوٹ ہے جسے دنیا کی تمام جاسوسی تنظیمیں جانتی ہیں۔ یہ کام ردی کی ٹوکریوں سے ربن اور ٹائپ کے کاربن کاغذوں سے جہاں خفیہ کام ہوتا ہے، سے بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ حالانکہ

ایسی چیزوں کو جلا دیا جاتا ہے۔ نشانہ یا منزل انسانی دماغ سے ہی نہیں بلکہ جسمانی محنت سے بھی حاصل کیا جاتا ہے۔

مخصوص معلومات حاصل کرنے کے بعد اُس کے مطابق اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے جس کے لیے کسی کو اپنی پلاننگ صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے صحیح معلومات کی ضرورت پڑتی ہے۔ سراغ رسانی کا عمل اس بات کا عمل اس بات پر بڑی حد تک منحصر ہوتا ہے کہ اُس علاقے میں کام کرنے والے افسروں کے نام معلوم ہوں۔ اس کے باوجود کہ حکومتیں حفاظتی انتظامات سخت کیے رکھتی ہیں۔ اس طرح کام آسان ہو جاتا ہے اور یہ اطلاعات اور معلومات ٹیلی فون کی ڈائریکٹری سے حاصل ہو جاتی ہیں جس میں کہ افسران کے نام ٹیلی فون نمبر اور رہائش گاہوں کی نشاندہی بآسانی ہو جاتی ہے۔ مکمل تفصیلات حاصل کرنے کے بعد منزلِ مقصود تک رسائی آسان ہو جاتی ہے اور اس طرح اُن کی نگرانی شروع ہو جاتی ہے یہ جاننے کے لیے کہ کونسی کلب، ہوٹل، ریسٹورنٹ یا مذہبی مجالس میں کس وقت اور کہاں جاتے آتے ہیں۔ بعض سراغ رسانی اداروں کے پاس تو خانقاہوں، پیغام رسانی کے اڈوں کی بھی مکمل تفصیلات موجود ہوتی ہیں جن میں ہیلتھ کلب بھی شامل ہیں جہاں کہ یہ سرکاری افسران اور ممبرانِ پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً مل سکتے ہیں اور یہ مشرقی اور مغربی ممالک کی حقیقت ہے۔ اب مذکورہ بالا شخصیات تک رسائی کی مشقیں شروع کی جاتی ہیں تاکہ مقصود حاصل ہو سکے۔ ہندوستان میں تو سی آئی اے اور کے جی بی کے کارکن دونوں کو متوقع موضعات پر بحث و مباحثہ کرتے سُنا گیا ہے تاکہ سرکاری اور تجارتی اداروں سے ابتدائی معلومات حاصل ہو سکیں۔

اگرچہ ہر سراغ رساں ادارے کا اپنا اپنا طریق کار ہے اور سی آئی اے یا کے جی بی کے ساتھ دوسری ایجنسیوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ اس طرح سے کارگزاری نہیں کرتے بلکہ اِن مذکورہ بالا دونوں تنظیموں کا ذکر اس لیے چھیڑا ہے کیونکہ اُن کا طریق کار بالکل واضح اور اُن کے مفادات بہ نسبت دوسری ایجنسیوں کے اِس علاقے میں زیادہ ہوتے ہیں۔ سی آئی اے کے

متعلق تو مشہور ہے کہ وہ نفضہ کالم (سراغ رساں جاسوس) لوگوں کو بڑی حد تک اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بعض اداروں کا نقطۂ آغاز مختلف ہوتا ہے مگر بنیادی اصول یکساں ہوتے ہیں۔ اس حلقے میں سینئر سرکاری افسران، معتمد سیکرٹری، سیکورٹی افسران اور اہم تجارتی شخصیتیں آتی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح وزیروں اور سیکرٹریوں سے قائم ہوتا ہے۔

کے جی بی تو اکثر دوسرے درجے کے لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کر کے اہم معلومات حاصل کرتی ہے۔ اس میں ٹائپسٹ، کلرک، ہرکارے شامل ہیں جو دفتری اوقات کے بعد یہ کارروائی کرتے ہیں اور اس طرح سے کسی شک و شبے سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔

تیسرے درجے میں ٹیلی فون آپریٹرز، الیکٹریشن اور پلمبرز وغیرہ آتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اچانک طور پر مخصوص فائل حاصل کر سکتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا افراد کا تجزیہ اس تجربے کی بنیاد پر پیش کیا جا رہا ہے جب کہ وہ ہندوستان میں "سی آئی اے" اور "کے جی بی" کے لیے کام کرتے پکڑے گئے اور انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ مذکورہ بالا امکانات کے علاوہ ایسے افراد جو بیرونی ممالک میں سفارت خانوں میں ملازم ہیں اور ان کی ملازمت انتقال پذیر ہوتی ہے۔ اس میں سفارتی ممبران یا سرکاری کارکن بھی شامل ہیں جن کو سفارت کار تو نہیں کہا جا سکتا مگر اہم ڈیوٹی پر فائز ہوتے ہیں اور وہ متعلقہ محکموں اور وزارتوں کے رابطہ کا کام کرتے ہیں۔ وہ بھی مطلوبہ دلچسپ مواد جو کہ اہم خط و کتابت پر مشتمل ہوتا ہے، اپنے پاس رکھتے ہیں جو کہ سراغ رسانی مقاصد کے لیے بڑا موزوں ثابت ہو سکتا ہے۔

ایسی عورتیں جو کہ سفارت کاروں اور دیگر سفارت کاروں اور سراغ رسانی ایجنٹس کی بیویاں ہوتی ہیں ان کو اس سے خارج سمجھا جاتا تھا لیکن اب ان کو بھی اس مقصد کے لیے مختلف ناموں سے یا بھیس بدل کر اپنے خاوندوں کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دی جانے لگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل سفارت کاری اور سراغ رسانی کے لیے جوڑے کام میں

لائے جاتے ہیں اور یہ طریقہ اکثر ایجنسیوں نے اپنا رکھا ہے۔

اکثر ممالک میں سماجی تعلقات پیدا کرنا یا لوگوں سے گھل مل جانا بہت آسان ہے۔ مگر چین جیسے کمیونسٹ ملکوں میں بہت مشکل ہے کیونکہ ان کی سراغ رسانی تنظیم کے کارکن ہر اس جگہ موجود ہوتے ہیں جہاں سے یہ کام لیا جاتا ہے۔" لیکن پھر بھی سراغ رسانی کے میدان عمل میں کوئی پیپرز مشکل نہیں ہوتی" ایک استاد کہتا ہے کیونکہ ایسے ممالک کے دوست ممالک سے سیاح آتے ہیں جن میں جرنلسٹ، مضمون نگار، طلباء اور دیگر کئی قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں ان سے ہر وقت رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں بھی صحیح رابطے کے انتخاب کا سوال باقی رہتا ہے اور اس سلسلے میں "FEEL" کے اصول سے کام لیا جاتا ہے جس میں محبت کا عنصر اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ طریق کار بھی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ایک نہ ایک وقت کامیابی حاصل ہو ہی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ کوئی نہ کوئی ایجنٹ ہاتھ لگ جاتا ہے جس کو آزمانے کے لیے پہلے معمولی کام یا اطلاعات حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ بعد میں اس سے مخصوص معلومات اور کاغذات حاصل کیے جا سکتے ہیں تب وہ معتمد اور وفادار ایجنٹوں کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ مگر دوسری دنیا میں حاصل کردہ ایجنٹ اپنی ہی ایجنسی کے ہاتھوں پکڑے بھی جا سکتے ہیں کیونکہ جب کوئی ایجنٹ اپنے معمولات میں رد و بدل کرتا ہے تو نظروں میں آ جاتا ہے اس لیے اسے سمجھانا ضروری عمل ہے۔ اس کے علاوہ معلومات کو آگے پہنچانے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہ کام (COURIER) ہرکارے سے یا وائرلیس سیٹ کے ذریعے لیا جاتا ہے۔ کبوتر بھی اس کام میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ خطرناک اور غیر سود مند ہے۔

ضمنی سراغ رسانی :

ہندوستان کی را (RAW) تنظیم کے ساتھ ایک کونٹر انٹیلی جنس کا حصہ بھی شامل ہے

اوران کا کام بھی تقریباً ویسا ہی ہے مگر سوائے اس کے کہ اُن کے منہ میں نہ دانت ہوتے ہیں نہ زبان اور نہ ہی ان کے پاس کوئی پاورز (POWERS) ہوتی ہیں۔

ہندوستان کی (IB) کاؤنٹر انٹیلی جینس بھی اسی طرح ہوشیار ہے جس طرح کسی دوسرے ملک میں۔ جن کا (ٹارگیٹ) نشانہ انڈیا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کی سراغ رسانی کے محکمے کی نظریں ہندوستان کی عسکری قوت پر مرکوز ہیں۔ ٹکا رام کشیاپ کی گرفتاری جو کہ ہندوستان کے کمانڈروں کی میٹنگ کے منٹس پاکستان کے سفارتی نمائندے انوار احمد کے حوالے کرتے وقت عمل میں آئی۔ ۹ نومبر ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے جو کہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح کی پاکستان سراغ رسانی ادارے کی ایک اور مثال موجود ہے جس میں کہ ہندوستان کے ۲۸ کمیشنڈ آفیسر اور ۵۲ ملٹری کے آدمی گرفتار ہوئے اور اس مرحلے پاکستان کے تین جاسوسوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اس کیس کو سمبا کیس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور کئی ایسی مثالیں جو CIA اور KGB سے متعلق ہیں، پیش کی جا سکتی ہیں۔

افواہیں پھیلانا :

را (RAW) پر مباحثے کے اختتام پر آخری بات جو اہم ہے وہ افواہیں پھیلانے کی پالیسی ہے۔ یہ کام پبلک کے خیالات بدلنے اور سوچ کا دھارا تبدیل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس کام کو محکمہ سراغ رسانی میں DECEPTION یا DIS-INFORMATION کے نام سے پکارا جاتا ہے اور یہ چال زیادہ تر ملٹری میں کام آتی ہے جو جنگ اور امن دونوں صورتوں میں استعمال میں لائی جاتی ہے۔ خصوصاً ایسے مواقع پر جب کہ ملک کے مفاد میں ہو۔ دوسرے الفاظ میں اس کو دھوکا دہی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح دشمن ملک کو غلط قسم کی خبریں فراہم کی جاتی ہیں جس کے لیے مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ مؤثر اور واضح ذرائع بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

اس طریقہ کار کو بنگلہ دیش آپریشن کے وقت بڑا موثر بنایا گیا تھا جب کہ مغربی ذرائع ابلاغ
نے یہ مشہور کر دیا کہ ہندوستان کی فوج نہ تو اتنی کافی ہے اور نہ ہی جلدی سے علاقے میں پہنچ سکتی
ہے کیونکہ یہ دور دراز علاقوں میں مثلاً حیدر آباد، بنگلور، پونا اور جھانسی کے مقامات پر موجود ہیں۔
یہ غلط افواہیں پاکستان کو فراہم کر دی گئیں جس پر پاکستان نے بڑی حد تک اعتبار کر لیا مگر ہوا اس
کے بالکل برعکس اور بڑی رازداری اور سرعت سے فوجیں بنگلہ دیش پہنچ گئیں تھیں جس میں
مانک شاہ نے بڑی ذہانت سے کام لیا۔ گویا پاکستانی انٹیلی جینس بعد میں اپنا مقصد حاصل کرنے
میں کامیاب ہو گئی تھی مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی اور ہندوستان اپنے مقصد میں
کامیاب ہو چکا تھا۔

خصوصی مہمات :

را (RAW) کا ایک یہ اہم ادارہ (OSO) کے نام سے بڑے دھوکے اور گندے
کام کرتا ہے اور بڑے خطرے مول لیتا ہے جو کہ را (RAW) کی کامیابی کا موجب ہے۔
وغیرہ وغیرہ۔ جاسوسی کے علاوہ اس ادارے کا کام آپریشن کو عملی جامہ پہنانا ہے اور ناکامی
کی صورت میں مدد دینا اور رد عمل دکھانا ہوتا ہے۔

سراغ رسانی اور خفیہ چالیں گو ایک برائی ہے مگر یہ جنگ سے کم تر برائی ہے۔ جب
کسی ملک کے ساتھ سیاسی سطح پر مذاکرات فیل ہو جاتے ہیں تو پھر را (RAW) کی اس تنظیم
(OSO) کا کام ہے جو معاملات کو سدھارنے میں بڑی حد تک مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس
ادارے کا کام اونچے پیمانے پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس ادارے کو قانونی تحفظ حاصل ہوتا
ہے۔ اسی لیے یہ دشمن ملک میں کھل کر یعنی احتیاط اور خفیہ طریقے سے ہی اپنے کام سرانجام
دیتا ہے۔ اسے آپریشن ... [illegible] LIES ... [illegible] جاتا ہے۔

بنگلہ دیش کا وجود :

دنیا میں بعض اوقات ایسے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں جب کہ کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی آزادی اور حفاظت کو چیلنج کرتا ہے اور امن کی فضا کو آلودہ کر کے خطرناک موڑ پہ لا کھڑا کرتا ہے۔ ایسے واقعات چاہے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں مگر بیرونی دباؤ کی وجہ سے خطرناک مشکلات کے سامنے اچانک لا کھڑا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ تباہی کا سماں پیدا ہو۔

ایسی صورتِ حال کا بلا واسطہ طور پر مقابلہ کرنے کے بجائے سیاسی حل تلاش کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں کیونکہ بیسویں صدی کی دُنیا بڑی مہذب ہو چکی ہے اور جب یہ سلسلہ بھی تعطل کا شکار ہو جائے تو پھر اس کا حل انٹیلی جینس ایجنسیوں کی وساطت سے جس میں مختلف ممالک کی ایجنسیاں حصہ لیتی ہیں، سوچا جاتا ہے۔ اس کی زندہ مثال" بنگلہ دیش کا وجود میں آنا" ہے۔

عام حالات میں ایسے مواقع پر بیرونی ممالک کی سراغ رساں ایجنسیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کام کی نوعیت کے لحاظ سے اُن کی کارکردگی عموماً خفیہ ہی رہتی ہے اور لوگوں کی زبان پر نہیں آتی جس کی وجہ سے ان کی کامیابیاں بھی چھپی رہتی ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان کا تذکرہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے خصوصاً اُس وقت جب کہ لوگوں میں غلط خبریں اور افواہیں پھیلی ہوئی ہوں کیونکہ حقیقت جاننا لوگوں کا حق بنتا ہے۔

مہم کا آغاز :

بنگلہ دیش آپریشن کو کوئی کوڈ نام نہیں دیا گیا تھا۔ تاہم اس کے مکمل طور پر حرکت میں آنے سے تقریباً ایک سال پیشتر ہی اس مہم کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اس وقت تک بھی جب کہ لوگوں نے مکتی باہنی کا نام سُنا تھا را (RAW) کی مداخلت سے بے خبر تھے اُس وقت اِس

آپریشن (مہم) کا پہلا حصہ مکمل ہو چکا تھا۔

دوسرا مرحلہ ہندوستان کی فوجوں کو ملوث ہونا اور یا بنگلہ دیش کی آزادی تھا۔ ہندوستان کی ملٹری کی ان کامیابیوں کا تذکرہ بیرونی تجزیہ نگاروں نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران جرمن کی کامیابیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ لندن کے "THE SUNDAY TIMES" سنڈے ٹائمز نے اپنے ۱۲ ر دسمبر کے شمارے میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا کہ ہندوستان کی فوج نے صرف ۱۲ دن کے اندر ڈھاکہ پہنچ کر جرمن فوجوں کی یاد تازہ کر دی ہے جنہوں نے ۱۹۴۰ء میں فرانس کا سخت ترین محاذ عبور کیا۔ عسکری جارحانہ چال اور تحمل بالکل ویسا ہی تھا۔ آج بھی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی فوج اکیلے یہ کامیابی نہیں حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ ہندوستان کی فوج بڑی ہنرمندی اور پامردی سے لڑتی رہی۔ چند ایک مقامات پر تاریخ ساز اور سنسنی خیز واقعات بھی رُونما ہوئے جو بڑے حیران کُن تھے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے بڑی تقویت بخشی۔ اس ساری کارروائی کا صلہ اُن لوگوں کے زمرے میں آتا ہے جنہوں نے دشمن کی صفوں کے پیچھے جنگ کی اور جان دے دی۔ یہ لوگ را (RAW) کے کارکن تھے جنہیں مکتی باہنی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

را (RAW) اور مکتی باہنی نے جب کافی قوت جمع کر لی تو پھر ہندوستان کی فوج کو اطلاعات فراہم کیں اور اس سلسلے میں انہوں نے ناقابلِ گرفت ذرائع سے کام لیا۔ نتیجتاً میدان جیتنے سے پہلے ہی جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اس میں دوسرے عوامل کے علاوہ را (RAW) کو خصوصی مقام حاصل ہے۔

ابتدائی رپورٹ :

پاکستانیوں کی سوچ کے متعلق رپورٹ آپریشن شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی موصول ہو چکی تھی اور یہ رپورٹ (IB) فارن ڈیسک نے لندن میں پاکستانی سفارت کار سے

حاصل کی تھی جس میں یہ کہا گیا تھا / ظاہر کیا گیا تھا "مغربی پاکستان کے لوگ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو ایسا سبق سکھانے کی سوچ رہے ہیں جو اُن کو کبھی نہ بھول سکے۔" یہ اطلاع (خبر) اُس مخبر نے یہ خبر فوراً نئی دہلی بھیج دی۔ جونہی یہ خبر مغربی اور مشرقی پاکستان کے دونوں حصوں میں پھیلی تو پاکستان (IB) کے ہیڈکوارٹرز میں یہ تصویر کا دوسرا رُخ لے کر ابھری اور لندن میں پاکستانی سفارت کار کے کلمات پر بڑی تشویش ہوئی۔ اُس وقت اِس پر اعتبار نہ کیا گیا۔ چنانچہ اسے ایک طرف ڈال دیا۔

اگرتلہ سازش :

سلسلہ چھوٹے بڑے واقعات کا ظہور ترتیب وار شمار میں لانا مشکل سا کام ہے۔ اس سلسلے میں ایک عیاں خاکہ نظروں کے سامنے اُبھرتا ہے۔ را (RAW) کی کارکردگی اُس کے اوائل وقت سے یعنی جب وہ ۱۹۶۸ء میں وجود میں آئی، کو مدِنظر رکھ کر تجزیہ کیا جائے۔ لیکن اُس وقت تک ہندوستان کی (IB) مجیب الرحمٰن کے گروہ سے تعلقات استوار کر چکی تھی۔ چنانچہ اگرتلہ میں ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں ۱۹۶۲-۶۳ء کے عرصے کے دوران خارجہ آئی بی اور مجیب کے حواریوں نے شرکت کی اور ایک واضح لائحہ عمل اختیار کیا گیا۔

اگرتلہ میٹنگ میں مجیب کے حواریوں نے کرنل مینن (جس کا اصل نام سینکرا نہ نائرز تھا) سے پُرزور مطالبہ کیا کہ اُن کی تحریک کو پُرزور طریقے سے آگے بڑھایا جائے۔ یہی وہ کرنل ہے جو ہندوستان کی (IB) اور مجیب گروہ کا درمیانی رابطہ تھا۔ چنانچہ کرنل مینن نے ان کو سمجھایا کہ فی الحال کوئی اقدام اٹھانا قبل از وقت ہوگا کیونکہ جو پلان انہوں نے پیش کیا تھا وہ ناپختہ اور ناقابلِ عمل تھا۔ جوں ہی اس پلان پر عملدرآمد شروع ہوا۔ بنگال کی افواج پر حملے شروع ہوئے تو یہ تحریک ڈھاکہ میں ناکام ہوگئی۔ حقیقت میں یہ ایک مکمل تباہ کر دینے والا اقدام تھا اور کرنل مینن کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

۶ جنوری ۱۹۶۸ء کو ایک خبر منظرِ عام پر آئی کہ مشرقی پاکستان کو ہندوستان کی مدد سے توڑنے کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اس کے ۱۲ یوم بعد میں اس الزام میں ملوث کیا گیا اور ایک مجرم کی حیثیت سے اُسے بھی لپیٹ میں لے لیا گیا۔ اس واقعہ کو اگرتلہ سازش کیس کے نام سے شہرت ملی۔ اور یہ الزام کمال الدین احمد کے اقرار کر لینے پر ثابت ہو گیا۔ ہائی کورٹ کا فیصلہ پاکستانی روزنامہ ڈان (DAWN) میں چھپا جس میں یہ ذکر کیا گیا کہ یہ سازش اور سازشیوں کا ہندوستان کی جاسوسی تنظیم سے گہرا رابطہ ہے جو کرنل مینن اور کرنل ٹریپاٹھی کی زیرِ سرکردگی سرگرم عمل ہے۔ یہ واضح ہو گیا کہ پاکستان نے ہندوستان کو ملوث کرنے کے لیے اس کے دو افسروں کے نام لیے تاہم پوری خبر پاکستان کے ہاتھ بھی نہ لگ سکی۔ انہوں نے کرنل مینن کے دو رینک (عہدے) الگ ظاہر کر کے دو آدمی بنا دیے حالانکہ یہ دونوں عہدے اور نام ایک آدمی کے تھے نہ کہ الگ الگ۔

را کی تحریک کا آغاز:

اس وقت تک "IB" خارجہ شاخ نے پاکستان میں تنظیمِ نو کی۔ مشرقی حصے کا ہیڈ کوارٹر کلکتہ میں مقرر کیا گیا اور پی این بنرجی جائنٹ ڈائریکٹر را (RAW) کو نامزد کیا گیا جب کہ پاکستانی (ڈیسک) کا انچارج نئی دہلی ہیڈ کوارٹر میں اس کا نام ایس سینکارن نائر تھا۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں زیرِ زمین خفیہ جال بچھا دیا گیا اور اس کام میں اُس سال ۱۰۰ جاسوس مامور کیے گئے اور یہ سب کچھ پاکستان کے اس سلوک کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوا جو اُس نے اپنے مشرقی حصے کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا۔ اس کی اوّلین یہی وجہ اور جنسیا دھی۔ را (RAW) کے دستے کرنل مینن کے ساتھ قریب ترین رابطہ قائم رکھنے کے لیے بارڈر کے ساتھ ساتھ پھیلا دیے گئے۔ اور ان کا رابطہ مشرقی پاکستان اندرونی علاقے میں پھیلے ہوئے جاسوسوں کے ساتھ بدستور قائم رہتا۔ اُن جانباز فورس کے نوجوان جن میں جذبۂ قربانی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، شامل تھے۔

۴۰۔ سی آئی اے کے پھندے

۴۱۔ رائے بنیادی وجوہات کا تجزیہ اکٹھا کیا

۴۲۔ راہنماؤں کے قتل کا منصوبہ

۴۳۔ ریفرنڈم

۴۴۔ ایٹم بم بنانے کے منصوبے کی منظوری

۴۵۔ پورنیما

۴۶۔ سخت حفاظتی اقدام

۴۷۔ پوکھاراں کا حادثہ

۴۸۔ امورِ خارجہ

سی بی آئی بھارتی جاسوسی ادارہ

۴۹۔ سی بی آئی کا تنظیمی ڈھانچہ

۵۰۔ بنگلہ دیش کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی خوفناک

بھارتی سازش سے پہلی بار پردہ اٹھتا ہے۔

بھارت کے ہاتھوں بنگلہ دیش کی تباہی

معاہدوں کے خدوخال

اس طرح سے ملاقاتوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا جو سرداروں کی بھرتی میں بڑا مددگار ثابت ہوا یعنی مکتی باہنی کی تنظیم قائم کرنے میں جس کی قیادت کرنل ایم اے جی عثمانی کر رہے تھے اور مکتی باہنی کے کمانڈر انچیف بنے یہی وہ نوجوان جانباز آزادی مکتی باہنی تھے۔ میجر خالد مشرف (سٹاف آفیسر) اور میجر سیف اللہ اور عبدالقادر صدیقی جس کو صدیقی ٹائیگر کہتے تھے، مکتی باہنی اور را (RAW) کے درمیان رابطے کا کام کرتے تھے۔

اس وقت تک مختلف تیار جا رہے تھے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے نئے ریکروٹ بھرتی کر کے را (RAW) کی سرکردگی میں مشرقی پاکستان میں بھیجے جا رہے تھے یہاں تک کہ اندھیری راتوں کے دن آ گئے۔ بہت بعد میں مجیب کو معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اگر ہٹلر آج زندہ ہوتا تو وہ بھی شرما جاتا۔ مجیب نے اِن کارروائیوں کو بنگلہ دیش کے ساتھ زنا بالجبر کے نام سے تعبیر کیا۔

مشرقی پاکستان کے لیڈروں کے مطالبے :

را (RAW) نے مارچ ۱۹۵۲ء میں مشرقی پاکستان کے لوگوں کے اس مطالبے کو مدِنظر رکھا کہ مشرقی پاکستان میں بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے۔

۱۹۶۹ء میں مشرقی پاکستان کے لوگوں میں بغاوت کے رجحانات نے جنم لیا جس کے اثرات باقی تھے۔

مشرقی پاکستان سے کھلی نفرت اور حقارت آمیز سلوک ان تمام وجوہات نے را (RAW) کے ہاتھ مضبوط کیے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے خاتمے کے فوراً ہی بعد مجیب نے اگرتلہ سازش کیس کے سلسلے میں ایوب خان سے اپیل کی اور کہا کہ وہ مشرقی پاکستان کی سلامتی کے سپیشل ٹریبونل کے سامنے بیان دینے کو تیار ہے اور ساتھ چھ نکاتی پروگرام ۱۹۶۶ء کے آغاز میں پیش کر دیا۔

جب کہ متحدہ پارٹی نظام کے تحت حکومت کی اپوزیشن قائم کرنے کے لیے لاہور میں کنونشن طلب کیا گیا تھا اور وہ چھ نکات جن سے ملٹری حکومت کانپ اٹھی درج ذیل ہیں:

۱۔ قرار دادِ لاہور کی بنا پر آئین ساز ادارے کو چاہیے کہ فیڈرل پاکستان قائم کیا جائے اور اس کی حکومت جو کہ حق رائے دہی کی بنیاد پر چنے گئے ممبران پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے۔

۲۔ ایسی فیڈرل حکومت دفاع اور وزارتِ خارجہ کے علاوہ کسی کام کی ذمہ دار نہ ہو۔ باقی تمام تر ذمہ داریاں ملحقہ ریاستوں کے ذمے ہوں۔

۳۔ دونوں بازوؤں کی کرنسی الگ الگ ہو جو آسانی سے تبدیل کی جا سکے اور یا پھر ایک ہی کرنسی کے لیے الگ الگ دونوں بازوؤں میں ریزرو بنک قائم کیے جائیں۔

۴۔ ملحقہ ریاستوں کو ٹیکس اور لگان اکٹھا کرنے کے پورے پورے اختیارات ہوں اور فیڈرل حکومت اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اُن سے اپنا حصہ وصول کرے۔

۵۔ دونوں بازوؤں کے درمیان اقتصادی فرق دُور کرنے کے لیے سالانہ قانونی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

۶۔ ایک ملیشیا یا نیم فوجی فورس مشرقی پاکستان کی اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے تیار کی جائے جو ابھی تک تیار نہ کی گئی تھی۔

انتخابات کا وعدہ:

انتخابات کا وعدہ مغربی پاکستان میں سنٹرل گورنمنٹ کی طرف سے ایک چیونگم سے زیادہ کچھ بھی نہ تھا جسے پنجابی لوگ چبا رہے تھے۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو جب ایوب خان کے خلاف بغاوت پھیلی تو اُس نے اعلان کیا کہ وہ حکومت کی باگ ڈور جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے حوالے کر رہے ہیں۔ جنرل یحییٰ خاں کی مشرقی پاکستان کو اکٹھا کرنے کی تمام کوششیں ایوب خاں سے

مختلف نہ تھیں۔ چنانچہ اُس نے ۱۰ر اپریل کو حق بالغ رائے دہی کے تحت انتخابات کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اپنے وعدے کے مطابق اُس نے ۵ ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو انتخابات کے انعقاد کا اعلان کر ڈالا جس سے فضا میں ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ بعد میں انتخابات کی تاریخ دسمبر ۱۹۷۰ء تک بڑھا دی کیونکہ اُس کو معلوم تھا کہ یہ اس کی ملٹری حکومت کے خاتمے کا باعث بنے گا۔

را کے اندازے :

را (RAW) کے ایجنٹ مشرقی پاکستان کے کونے کونے میں پھیل چکے تھے (ڈبل ایجنٹوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی) اور یہ لوگ حکمران طبقے کے بالکل قریب رہنے والے لوگ۔ ایک پاکستانی سینئر افسر جو کہ ڈھاکہ فال ہونے تک ڈھاکے میں ٹھہرا ہوا تھا، نے را کو ایک بہت ہی قیمتی خبر پہنچائی اور اسے ڈھاکہ فال ہوتے ہی وہاں سے اُٹھا لیا گیا۔ را کے اندازے کے مطابق اگر انتخابات پروگرام کے مطابق دسمبر میں منعقد ہوتے ہیں تو ۵۰ فیصدی سیٹیں بنگالی جیت جائیں گے۔ اِس بات نے را اور حکومت کے درمیان ایک جھگڑا سا کھڑا کر دیا کہ را تنظیم کو یحییٰ خاں کے انتخابات کے انعقاد کا صحیح طور پر کیوں علم نہ ہوا۔ را کی یہ ناکامی پاکستانی انٹیلی جینس کی کامیابی قرار دی گئی۔

عوامی لیگ نے انتخابات اکثریت سے جیت لیے :

۷ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگ نے قومی انتخابات بڑی اکثریت سے جیت لیے۔ لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد ۲۰ر دسمبر کے انتخابی نتائج سننے کے بعد مسٹر ذیڈ۔ اے بھٹو کی چیخ و پکار نے تصویر کو دوسرا رُخ دیا۔ اس نے کہا پیپلز پارٹی حزب اختلاف کے کٹہرے میں نہیں بیٹھے گی اور پھر کہا کہ ایک اکثریت اکیلی ہی قومی سیاست میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ پاکستان نے اپنے الگ قانون بنانے شروع کیے ہیں۔

یکم مارچ کو یحییٰ خاں نے قومی اسمبلی بنانے کے فیصلے کو نامعلوم مدت کے لیے منسوخ دیا۔ اس اعلان سے یحییٰ خاں کی ملٹری حکومت فیل ہو گئی اور بھول گئے کہ مجیب کے ساتھ کیا سودے بازی ہوئی تھی حالانکہ مجیب کو وہ نیچا دکھانے میں ناکام ہو چکے تھے۔ دوسرے روز بعد طالب علم لیڈروں نے جلوس نکالے۔ عوامی لیگ نے بنگلہ دیش کا پرچم لہرا دیا۔ تحریک قانون شکنی زور پکڑ گئی اور جنگِ آزادی شروع ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصے بعد را (RAW) کے ذرائع نے یہ خبر حاصل کی کہ کراچی سے ڈھاکہ کے لیے لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خاں کی سرکردگی میں فوجیں بذریعہ بحری سفر روانہ کی جا رہی ہیں۔ اور بلوچ رجمنٹ ۴ر مارچ کو چٹاگانگ پہنچ چکی ہے۔ بنگالی افسران تحریک کی سرپرستی کر رہے ہیں اور ہندوستان کی بارڈر سے فوجوں کو ڈھاکہ میں اکٹھے کرنا یہ سب ایک تباہی کی علامت ہے۔

اسی روز ڈھاکہ سے را (RAW) کے کارکن سے کلکتہ میں ایک پیغام موصول ہوا۔ "بہت بڑا خلا پیدا ہونے والا ہے۔" کراچی اور چٹاگانگ سے موصولہ اطلاعات کو اس خبر نے بڑی تقویت دی کہ فوجیں اندرونی علاقے کی طرف حرکت میں ہیں۔ جونہی یہ رپورٹ نئی دہلی پہنچی تو وہاں سے پیغام موصول ہوا کہ " مینن کو واضح ہو۔ ہمارے دوستوں کو اندر لے آئے۔"

"ADVISE MENON ..... TO BRING IN ..... OUR FRIENDS"

مجیب کی گرفتاری اور تاجدین کی نقل مکانی برائے کلکتہ:

مذکورہ بالا پیغام موصول ہونے کے بعد جب پاکستانی فوجیں چٹاگانگ کی بندرگاہ پر جہاز سے اُتر رہی تھیں تو را (RAW) کے کارکنوں کو اس عملدرآمد کرنے کے لیے بڑی بے تابی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے مجیب کو ڈھاکہ چھوڑنے پر رضامند کرنے کی کوششیں شروع کر دیں مگر مجیب نے بڑی سرکشی سے ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ آخری لمحے ایک درمیانی فیصلہ طے پایا۔

سب سے پہلے اس نے عوامی لیگ کے رہنماؤں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ اس خلا سے تھوڑی دیر ہی پہلے مجیب نے اپنے چند ایک ساتھیوں کو ہندوستان چلے جانے کی رضامندی ظاہر کر دی۔ ان میں تاجدین بھی شامل تھا۔ تاجدین جنرل سیکرٹری عوامی لیگ بعد میں بنگلہ دیش کا وزیر اعظم بننے والا تھا۔ وہ اپنے چند ہمراہیوں سمیت را (RAW) کے کارکنوں کے ساتھ رات بھر سفر کرتے ہوئے مجیب نگر پہنچ گئے جہاں سے کہ بنگلہ دیش کی آزادی کا آغاز ہوا۔

حفاظتی دستوں سے بچتے بچاتے رات بھر سفر کرنے کے بعد کچھ لوگ جیسور کے شمال میں بارڈر پار کر چکے تھے۔ یہ لوگ گندی لنگیوں اور پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں ملبوس تھے ان لوگوں کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اور بھی بہت سے لوگ سرحد عبور کرنے والے ہیں۔ تاج دین کے دوسرے ساتھیوں میں چند ایک مشہور لوگ جن کے نام نصر الاسلام، مشتاق احمد سلہٹ آزاد اور دوسرے چار طالب علم لیڈر نفضل حق مونی، طفیل احمد، عبدالرزاق اور سراج الاسلام خان تھے۔

یہ خلا بڑھتا گیا مگر مجیب اور اس کے ساتھیوں کی قسمت کے فیصلے کے متعلق ابھی تک کچھ خبر نہ تھی۔ اس سے پہلے کہ مشرقی یا مغربی پاکستان سے کوئی خبر نشر ہوتی ہمیں پتہ چل گیا کہ پرندے کو پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یعنی مجیب کی گرفتاری عمل میں آ چکی ہے۔ (را)

کلکتہ میں مختصر قیام کے بعد تاجدین نئی دہلی روانہ ہو گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جیسور سے ۱۰۰ گز کے فاصلے پر مشرقی پاکستان کے اندر مجیب نگر قائم ہو گیا مگر عملی اقدام کے لیے مجیب نگر درحقیقت کلکتہ کے ایک غیر معروف گھر میں قائم کیا گیا تھا جو کلکتہ کے درمیان میں واقع تھا اور وہیں سے بنگلہ دیش کی نشریات ہونے لگیں۔ وقت آ گیا اور ۲۵ مارچ کو ٹکا خاں اپنی پوری قوت کے ساتھ آ دھمکا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۷۱ء کو اس نے دیکھا کہ بنگلہ دیش کی صوبائی حکومت کا دارالخلافہ کلکتہ میں قائم ہو چکا ہے۔ چار طالب علم لیڈروں نے مجیب کو لانے کے لیے پروگرام پیش کیا مگر تاجدین نے اس کی مخالفت کی۔ اپریل کے آخر تک نسل کشی شروع ہو گئی جس کا اندازہ دو لاکھ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے اور تقریباً آٹھ لاکھ مہاجرین ہندوستان میں پہنچ

گئے۔ ہندوستان کی سلامتی کو خطرے کی دھمکی نے حقیقت کا روپ دھارا۔ مارچ ۱۹۶۹ء کی را کی رپورٹ سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ پاکستان ہندوستان کے ساتھ جنگ کرنا چاہتا ہے۔ چاہے مشرقی پاکستان کو ہی میدانِ جنگ بنانا پڑے۔ چنانچہ وہ (IB) کی رپورٹ کے منتظر تھے تاکہ آئندہ حالات کا اندازہ لگایا جا سکے۔ مئی میں را (RAW) کی ایک اور رپورٹ وزیرِ اعظم کو موصول ہوئی جس میں نتائج اخذ کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ بالآخر یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ پاکستان جنگ کی تیاری میں ہے۔ را (RAW) کو اشارہ ملتے ہی اس نے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لانے کی سعی تیز تر کر دیں۔

مُکتی باہنی :

را (RAW) کی مصدقہ اطلاعات کے مطابق ہندوستان اور مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے کے ساتھ ساتھ حفاظتی اقدامات سخت کر دیے گئے تھے اور پاکستانی سیکورٹی فورس کے لیے یہ ناممکن بنا دیا کہ وہ ہندوستان کے اندر گھس کر کچھ حاصل کر سکے۔ اس طرح سے مکتی فوجیوں کو پوری پوری پشت پناہی اور حفاظت مل گئی۔

مکتی فوجیوں کو مکتی باہنی کا نام دیا گیا۔ چنانچہ اس فوج کے وجود میں آنے کے دو ماہ بعد ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو صاف ظاہر ہو گیا کہ پاکستانی فوج نے جنگ شروع کر دی ہے۔ لوگوں کے جذبات اس ظالمانہ دباؤ کے خلاف بُری طرح بھڑک اٹھے اور باغی قوتیں مقابلے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان میں طالب علم، رہنما، اساتذہ، کسان، مزدور، لیڈر، سپاہی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے پاکستانی فوج کی مزاحمت شروع کر دی۔ مکتی باہنی کی بنگلہ دیش کو آزاد کرانے کی شاندار کہانی اور را (RAW) کا اس میں ہاتھ بٹانے اور اس کو مؤثر بنانے کے شاندار کارناموں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اخبار (پریس انفرمیشن) اور دوسرے ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے ظاہر ہوتا ہے

دھکیل دیا ہے اور اس کے مواصلاتی رابطے منقطع کر دیے ہیں۔ ہم نے اُن کو ہر وقت ہراساں
کیا۔ چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ روزانہ تقریباً ایک سو سے زائد کو ہلاک کیا اور وہ روزانہ ہوائی جہاز سے
کفن کا لوڈ لے کر اپنی لاشوں کو لے جاتے۔
آہستہ آہستہ مختلف گروپوں کو اس طرح سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ اُن کا آپس میں رابطہ
قائم رہے۔
جون۔جولائی ۱۹۷۱ء کو پچاس ہزار نفوس پر مشتمل فوج کو چار درجن سیکٹروں میں پھیلا دیا۔
ان میں رنگپور، دیناج پور، راجشاہی سیکٹر، ڈھاکہ، کومیلا، چٹاگانگ سیکٹر، میمن سنگھ،
سلہٹ سیکٹر اور کشتیا، جیسور، کھلنا سیکٹر شامل تھے۔ اِس فوج کا شکنجہ اب سخت ہونے لگا۔
ٹائم میگزین نے اپنے ۲ اگست ۱۹۷۱ء کے شمارے میں لکھا ہے۔ خفیہ لڑاکا فوج نے پورے
ملک پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ کرنل عثمانی نے دعویٰ کیا کہ اُس نے ستمبر کے آخر تک ۲۵ ہزار پاکستانی
فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ ۲۱ جہاز ڈبو دیے اور ۶۰۰ سے زائد پلوں اور راستوں کو تباہ کر دیا
اور ریل گاڑی کی پٹڑیوں کو اکھاڑ پھینکا اور تمام تر مواصلاتی نظام کو درہم برہم کر دیا۔
دسمبر ۱۹۷۱ء کے اوائل میں مکتی باہنی کی فوج میں دس ہزار مضبوط نوجوان مزید شامل کیے۔
ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ باور کیا جاتا تھا کہ مکتی باہنی خود ہی بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان)
سے پاکستانی فوجوں کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائے گی مگر اس گوریلا جنگ کے لیے عرصۂ دراز
درکار ہے اور جانی نقصان کا زیادہ تعداد میں خطرہ ہے۔ نیوز ویک کے سینئر ایڈیٹر جس نے
گوریلا علاقے کا بذاتِ خود معائنہ کیا تھا، لکھا کہ "پاکستانی فوج کی برتری ختم ہو چکی ہے اور گوریلوں
نے پورے ملک پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ سرکاری اہل کار اور سول ملازمین کے علاوہ دیہاتی
لیڈر بھی خفیہ طور پر گوریلوں کی مدد کر رہے ہیں اور سوائے دریائی پتنوں کے حکومت کے تمام
فوجی دستے شہروں اور قصبوں سے باہر بہت تھوڑی تعداد میں نظر آ رہے ہیں۔"
ڈھاکہ کی طرف مارچ کرتے وقت ہندوستان کی فوج اور مکتی باہنی دونوں مل کر

جنگ لڑ رہے تھے۔ بلاشبہ بھارتی فوجوں کا راستہ مکتی باہنی نے صاف کیا تھا۔ ۴ جنوری ۱۹۷۲ء کو کلکتہ سے ایک بیان میں کہا گیا "کئی ماہ سے مکتی باہنی نے جو ابتدائی کام شروع کر رکھا تھا خاص کر ڈھاکہ، کومیلا اور میمن سنگھ سیکٹر میں اس کی کارگزاری نے ہندوستان کی فوجوں کو ڈھاکے کی طرف یادگار رفتار سے بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ تقریباً بیس ہزار مکتی باہنی فوجی گوریلے دشمن کی فوج کا صفایا کرنے کے لیے مقرر کیے گئے اور پھر راے پورہ اور نرسنگھدی کے علاقے کو روندتے ہوئے ہندوستان کی فوجیں جب ڈھاکہ پہنچیں تو اس میں بھی مکتی باہنی نے بڑا اہم کارنامہ سرانجام دیا، کیونکہ اُس کے گوریلوں کا پورا پورا کنٹرول تھا۔

را (RAW) کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا اب جنرل ایس ایچ ایف جے مانگ شاہ چیف آف آرمی سٹاف کا کام تھا جو ایک سپاہی کی نظر سے ساری صورت حال کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اب دوسرا مرحلہ ملٹری کے ذمے تھا اور یہ مانگ شاہ کی ذمہ داری تھی کہ اس بوجھ کو اٹھائے۔ چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی دفاعی پالیسی کو ملٹری کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جا رہا۔ اسے ہمیشہ پالیٹکس اندرونی پالیسی، معاشیات اور خارجہ پالیسیوں کے ساتھ نتھی کر دیا جاتا ہے۔ جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اُس نے مجبور کیا کہ حکومت کو سیاست میں [illegible] ایک لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے تاکہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ اس سلسلے میں اُس نے بذاتِ خود وزیراعظم سے ملاقات کی اور اس کی وساطت سے سیاسی امور کی کمیٹی سے ملے۔ سب سے پہلے کونسل میں مسٹر ڈی پی دھر کو پلاننگ کمیٹی وزارتِ خارجہ کا چیئرمین منتخب کیا۔ ادھر ملٹری کی طرف سے ایک مشترکہ انٹیلی جینس کمیٹی جس میں را (RAW) کے نمائندے انٹیلی جینس بیورو اور ڈائریکٹر آف انٹیلی جینس شامل تھے جو تینوں افواج سے لیے گئے تھے۔ یہ کونسل وائس چیف

کہ چار قسم کے لوگ مکتی باہنی میں شامل تھے جس میں :۔

ا۔ زندگی کے ہر شعبہ سے رکھنے والے نوجوان جن کی عمریں ۱۵ سے ۲۰ سال کے درمیان تھیں۔

۲۔ عوامی لیگ کے نوجوان رضا کار جن کو ملٹری کی تربیت حاصل تھی۔

۳۔ ایسے نیم فوجی دستے جن میں (i) انصار (ii) مجاہدین (iii) پولیس اور (iv) بارڈر پولیس، شامل تھے۔

۴۔ ایسٹ بنگال رجمنٹ (یہ ریگولر ملٹری تھی جو باغی ہو گئی)

مارچ۔مئی ۱۹۷۱ء کے اوائل میں ان عوامل کی طرف سے بھرپور بغاوت نے سر اٹھایا لیکن ان کو کمک نہ مل سکی۔ پہلی ہی چوٹ میں انہوں نے سلہٹ، کومیلا، چٹا گانگ، نواکھلی میمن سنگھ، ٹنگیل کے علاقے آزاد کرا لیے۔ مگر یہ کامیابی تھوڑی دیر کے لیے قائم رہ سکی کیونکہ (۸۰،۰۰۰) اسی ہزار سے زائد کی نفری پر مشتمل پاکستان کی فوج کے چار ڈویژنوں نے ٹینک، توپخانہ اور بمبار طیاروں کی مدد سے جلد ہی اُن پر قابو پا لیا مگر را کے جاسوسوں نے اپنے وائرلیس کے ساتھ بارڈر کے اندر قدم رکھا۔ مکتی باہنی کے کیمپ بارڈر کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ان میں مزید لوگ جن میں پڑھے لکھے نوجوان بھی تھے، شامل ہو گئے۔ اب ان ننگے بدن ننگے پاؤں لوگوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی جن کو مکمل تربیت سے آراستہ کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا کام تھا جو بڑی جانفشانی اور سلیقے سے سرانجام دیا گیا۔ ان میں پڑھے لکھے نوجوانوں کو تخریب کاری، جاسوسی اور خفیہ وائرلیس کی تربیت دی گئی اور گوریلے تیار کیے گئے۔ المختصر ہر اس بات کی تربیت دی گئی جس کی ضرورت تھی تاکہ اپنے دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔ کرنل عثمانی نے خشونت سنگھ کو بتایا کہ اس کی فوج کو میدانی لڑائی کے ساتھ ساتھ گوریلا ٹریننگ سے بھی تربیت یافتہ بنا کر تیار کر لیا گیا ہے اور کمانڈوز کی طرح حملہ کرنے کے طریقوں سے روشناس کرا دیا گیا ہے۔ ہمیں کچھ زمین کی ضرورت تھی چنانچہ ہم نے دشمن کی افواج کو تتر بتر کر کے پیچھے

آف آرمی سٹاف کی صدارت میں قائم کی گئی۔

اسی طرح مشترکہ پلاننگ کمیٹی نے آپریشنل پلان کے لیے تعاون کیا۔ مشترکہ سروسز آپریشنل ہیڈکوارٹر قائم کرلے کے بعد کام شروع ہوگیا۔ اس طرح سے جنوبی بلاک اور رویو بھادن کے ساتھ مل کر بہترین ٹیم بن گئی۔ ادھر سول کی طرف بھی ایک سیکرٹریٹ کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی گئی، جو جنگ کے متعلق تیارکردہ اصول اور قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مددگار رہی۔ اس کمیٹی میں سیکرٹری دفاع کے علاوہ سیکرٹری داخلہ، سیکرٹری خارجہ اور را کا چیف سیکرٹری کی حیثیت سے جس کا نام کاؤ تھا، شامل ہوئے۔ دوسرے معاملات میں تعاون کے لیے دوسرے سیکرٹریوں کو بھی اعتماد میں لیا گیا۔ بارڈر سیکورٹی فورسز کے ڈائریکٹر جنرل، سول ڈیفنس کے سربراہ اور دوسرے نیم فوجی دستوں کو جنگ کے لیے بڑی ترتیب سے پلاننگ کے لیے شامل کیا گیا اور ان سب کا دارومدار مانک شاہ اور ڈی پی دھر کی پالیسیوں پر تھا۔ وزیراعظم جو کہ سیاسی معاملات کمیٹی میں تھے، کے ساتھ ہمیشہ رابطہ قائم رہتا اور فیصلے دینے کے معاملات کو سرخ فیتے کی بیوروکریسی چالوں سے الگ تھلگ رکھا۔ (انڈیاز وارز سنس انڈی پینڈنس بائی میجر جنرل سکھوانت سنگھ وکاس) ڈی پی دھر اور کاؤ اور اس طرح کاؤ مانک شاہ کے مسلسل رابطے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نے بڑا اچھا اثر دیا۔

دنیا کو دکھانے کے لیے ملٹری کی بجائے سول حکومت قائم کی گئی ہے۔ مغربی پاکستان حکومت نے [illegible] اے۔ ایم۔ ملک کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا۔ ان [illegible] خیالی چالوں نے ابھرتی ہوئی مکتی باہنی کو منظر عام پر آنے اور اپنے آپ کو دوبارہ تیار کرنے کا موقع فراہم کیا۔ را کے اندازوں سے [illegible] مکتی باہنی [illegible] فوج میں اضافے کے باوجود [illegible] کے لیے انتہائی مشکل ہے کہ وہ پاکستانی فوج کا [illegible] مقابلہ کر سکے چنانچہ بھارتی فوج کو جنگ کے لیے تیار [illegible]

پاکستان نے اعلانِ جنگ کر دیا :

یحییٰ خاں نے ۳ دسمبر کو شام ۵ - ۳۰ بجے اِس سوال کا جواب اعلانِ جنگ سے دیا۔ نئی دہلی کے حلقوں میں وقت کے تقاضے کے مطابق پاکستان کی طرف سے اس قسم کے اقدام کی کوئی اُمید نہ تھی۔ وزیر اعظم بہت دُور کلکتہ میں وزیرِ دفاع جگ جیون رام بھی دارالخلافہ سے غیر حاضر بہار میں تھے۔ وزیرِ خزانہ بمبئی میں اور صدر وی وی گری پارلیمنٹ میں ایک استقبالیہ میں موجود تھے جب کہ خطرے کا سائرن بجا۔ وزیرِ اعظم اندرا گاندھی نے مغربی سرحد پر پاکستانی حملے کی خبر سنی اور وہ جلدی سے واپس دارالحکومت پہنچ گئی۔ اسی رات جنرل اروڑہ کو ملٹری ہیڈ کوارٹر سے آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وزیرِ اعظم نے اعلان کیا۔ "بنگلہ دیش کی جنگ ہندوستان پر مسلط کر دی گئی ہے!!"

تمام تر تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ را نے پشاور سے رپورٹ بھیجی کہ پاکستان ملٹری کا ساتواں بریگیڈ ۲ دسمبر کو ہندوستان کے مغربی بارڈر کی طرف پونچھ اور چھمب سیکٹر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جونہی جنرل اروڑا کو اُٹھ کھڑے ہونے اور آگے بڑھنے کا حکم ملا، کلکتہ میں را (RAW) کو دوبارہ اپنی پوزیشنیں سنبھالنا پڑیں اور مشرقی حصہ میں پھیل گئے اور پورے مشرقی پاکستان میں جال پھیلا دیا۔ مشرقی پاکستان جہاں پاکستانی حکومت کا مضبوط قبضہ تھا، تھرا گیا۔ ملٹری کا ڈھاکہ منزل تھی جو کہ پاکستان کی زندگی کا دھڑکتا ہوا دل تھا۔ اس کام میں صرف بارہ دن لگے۔

گوریلے حرکت میں آگئے۔ ہر چھ ماہ بعد را (RAW) دو ہزار گوریلے تیار کر رہی تھی جن کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ پاکستانی فوجیوں کو ہر وقت پریشان کریں اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ جولائی تک محدود دفاعی حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مشرقی پاکستان کی سرحد کے اندر دس میل تک را اور بی ایس ایف کے دستے پھیل گئے۔ خفیہ تنظیموں نے پاکستانی افواج کی مکمل نقل و حرکت کی اطلاعات فراہم کیں۔ جو ایک بڑے علاقے پر پھیلی

ہوئی تھیں ۔ مکتی باہنی نے بھی اپنی کارکردگی جو پاکستانی فوج کو صرف تنگ کرتا تھا فوراً بدل کر اسلحہ کا استعمال شروع کر دیا اور دشمن کے اسلحہ کو نقصان پہنچا کر اُسے مالی مار دینے کی جنگ شروع کر دی۔

ایک خاص اپریشن عمل میں لایا گیا جس کے تحت پاکستانی فوج کی نقل وحمل کی صحیح صحیح صورتِ حال کو ہوا میں لہرانے لگا جس سے پاکستانی فوج کو پریشان کرنا تھا۔ اس طرح سے پاکستانی فوج اپنے حواس کھو بیٹھی۔ شروع میں تو پاکستانی فوج نے مکتی باہنی کے جوانوں پر قابو پا لیا۔ مگر بعد میں مکتی باہنی نے جب اُن کا مواصلاتی نظام درہم برہم کر دیا اور تمام رابطے منقطع کر دیے تو پاکستانی فوج بے کار ہو کر رہ گئی۔

اب مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی نے فوج کی کمان سنبھالی۔ مگر بڑے پیمانے پر تخریب کاری کے بچھے ہوئے ہندوستانی جال نے پاکستانی افواج کی زندگیوں کو خطرے سے دوچار کر دیا۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا اور ہندوستان کی فوج پاکستانی فوج سے آنکھ بچا کر ڈھاکہ کی طرف گامزن رہی اور اس کامیابی کا سہرا را کے کارکنوں کے سر ہے۔ جنہوں نے پیشگی اطلاعات فراہم کر کے مشکل آسان کر دی۔ پاکستانی افواج نے جگہ جگہ جاسوسی کا جال پھیلایا ہوا تھا مگر مکتی باہنی کی کامیاب تخریب کاری نے اُن کی ایک نہ چلنے دی جس سے دشمن بے دست و پا ہو گیا۔ یہاں تک فوج کو ڈھاکہ کے علاوہ میں بھی کوئی حکم نہ مل سکتا تھا۔

بدقسمتی سے ۱۲ دسمبر کو جب ہندوستانی افواج فیصلہ کن فتح سے ہمکنار ہوا چاہتی تھی تو پاکستانی وفد نے (UNO) یونائیٹڈ نیشن میں جنگ بند کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سے پیشتر کہ کوئی سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ اتنے میں ایک آخری بھرپور حملہ پاکستانی افواج کو محصور کرنے میں کار آمد ثابت ہوا۔ یہ ایک انٹیلی جینس کی چال تھی جو ... ذریعے نشر کی گئی۔ اور یہ پیغام " ہم ۱۲ بجے ڈھاکہ گورنمنٹ ہاؤس میں اکٹھے

ہو رہے۔ ایک خاص میٹنگ ہے "۔ بمبار طیارے تباہی مچا رہے تھے۔ مگر ان کو گورنمنٹ ہاؤس کی اچھی طرح نشاندہی نہ ہو سکی۔ یہ وہ میٹنگ تھی جو را کے افسران نے ڈھاکہ میں بلائی تھی۔ اور جو ڈھاکہ میں کام کر رہے تھے اور انہوں نے پاکستانی افواج کی شکست کے فوراً بعد ہی ڈھاکہ چھوڑ دیا۔ را کے افسران میں سے ایک نے خراب سا نقشہ بھی دکھایا جو کہ اس کی کارکردگی اور مقامات کی صحیح نشاندہی کر رہا تھا اور یہی نقشہ ہوائی فوج کے حوالے کر دیا جس میں فوج کا قیام ایک مسجد کے پاس ایک عمارت میں دکھائی دیتا تھا اور یہ عمارت دوسری عمارتوں سے بہت دور تھی اور یہی ڈھاکہ کا گورنمنٹ ہاؤس تھا۔ بس پھر کیا تھا، بمباروں نے ۱۲ بجے تک اس کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ یہ بمبار کلکتہ سے اڑان لے کر چلتے تھے۔

آمدہ اطلاعات سے پتہ چلا کہ مالک گورنر مشرقی پاکستان بجدہ ریز ہوا اور اپنے ہمراہیوں اہلکاروں کے ساتھ یحییٰ کی حکومت سے مستعفی ہو گیا اور انٹرنیشنل ہوٹل جس پر کہ ریڈ کراس کا جھنڈا لہرا رہا تھا، اس میں پناہ لے لی۔ اب حکومت کا ایک نمائندہ صرف جنرل نیازی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بچ گیا جو کہ جنگ کو طول دے رہا تھا۔ بنگلہ دیش کی آزادی کی جنگ قریب المرگ تھی۔ چنانچہ نیازی نے ہتھیار ڈال دیے اور بنگلہ دیش آزاد ہو گیا یا وجود میں آ گیا۔

ہنگامی اقدام :

جنگِ آزادی اختتام کو پہنچی۔ بنگلہ دیش وجود میں آ چکا تھا جس کا سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن بنا۔ را (RAW) کے افسران بھی کڑی نظروں سے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ اُن کی ۱۹۷۳ء کی رپورٹ نے ظاہر کیا کہ ملک کے حالات پھر سے خراب ہو رہے ہیں۔ بے چینی پھیل رہی ہے۔ فروری ۱۹۷۴ء میں یہ حقیقت واضح ہو گئی جب دو بڑی اور عام ہڑتالیں ہوئیں۔ ہڑتالیوں کے مارچ بھی تھی جو مجیب الرحمٰن کو ون پارٹی حکومت کی

تشکیل پر زور دے رہے تھے۔ ۲۴ فروری ۱۹۷۴ کو را کی رپورٹ کے مطابق بنگلہ دیش کی حکومت ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھی۔

اطلاعات کے مطابق مغربی سراغ رساں ادارے بڑی پھرتی دکھا رہے تھے چنانچہ نائر جو کہ مجیب کی حکومت کا پسندیدہ تھا اپنے ہمراہ عثمانی کو لے کر مجیب سے ملا اور حالات پر تبادلۂ خیالات کیا۔ مجیب جو کہ بپھرا بیٹھا تھا، فوراً بولا، اب ہنگامی اقدام لازم ہیں۔

چار ماہ بعد را (RAW) کو اطلاع ملی کہ میجر رشید، میجر فاروق، کرنل عثمانی نے ضیاالرحمٰن کے گھر پر ایک میٹنگ کی ہے۔ دوسرے معاملات کے علاوہ بات ہنگامی اقدام اٹھانے کے معاملات زیر بحث آئے۔ تین گھنٹے کی مسلسل میٹنگ کا فیصلہ ایک ردی کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا گیا جو بڑی بے احتیاطی سے ردی کی ایک ٹوکری میں پھینک دیا گیا۔ یہ کاغذ ایک کلرک نے ردی کی ٹوکری سے نکال لیا اور را (RAW) کے ایک افسر کے حوالے کر دیا اور یہ اطلاع فوراً نئی دہلی پہنچ گئی۔

کاؤ فوراً خفیہ طور پر ڈھاکہ پہنچا۔ مجیب سے مقررہ جگہ پر ملاقات کی۔ مجیب نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا کہ آپ مجھے اس طرح ملنے کیوں آئے ہیں۔ ظاہری طور پر سب کے سامنے کیوں نہ آئے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ پہیلیاں بوجھانے لگا۔ کاؤ مجیب میٹنگ ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ کاؤ مجیب کو اس بات پر رضامند کرنے میں ناکام رہا کہ ہنگامی اقدام اٹھایا جائے کیونکہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس کے باوجود کہ اُس کو اُن مذکورہ بالا افسروں کے نام بھی بتائے گئے، جو اُس کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر اُس کی یہ خوش فہمی کہ "وہ میرے بچے ہیں، مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں" اُس کی موت کا باعث بنے۔

قتلِ مجیب الرحمٰن شیخ :

ابھی تین سال کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک رات ۱۴ اگست کو گرم مانسون کے سب کے چلنے کے ساتھ ساتھ فوج حرکت میں آگئی۔ بنگال لانسرز اور بنگلہ دیش پلٹنیں چھاؤنی سے دارالخلافہ کی طرف چڑھ آئیں اور زیرِ تعمیر ہوائی اڈے پر قبضہ کر لیا۔ اس سے پہلے بھی اس قسم کی تحریکیں چل چکی تھیں۔ لہٰذا دیکھنے والوں نے اس بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ چند گھنٹوں بعد اسی شام مجیب الرحمٰن اپنے خاندان کے ۴۰ افراد سمیت قتل ہو گئے اور یہ سارا کام تین منٹ میں اختتام کو پہنچا۔

شیخ مجیب الرحمٰن کے دو بھتیجے شیخ مونی جو کہ بنگلہ دیش ٹائمز کے ایڈیٹر اور دوسرے شیخ اسلام، سیکرٹری سٹوڈنٹ فرنٹ عوامی لیگ بنگلہ دیش کا اغوا ایک گھنٹہ بعد عمل میں آیا۔ انقلابیوں نے مشتاق خوندکر جو کہ مجیب الرحمٰن کا چار حکومتوں سے قریبی ساتھی تھا، ۲ اگست کو صدر بنا دیا۔

امریکہ کی سی آئی اے (CIA) نے اس سارے عمل کا الزام ہندوستان پر تھوپ دیا۔ مگر را (RAW) کے حلقوں کو یقین ہو گیا کہ یہ سارا پلان مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے وجود میں آنے سے پہلے ہی (CIA) کے ساتھ مل کر بنایا تھا اور اس سلسلے میں سی آئی اے (CIA) کا سربراہ فلپ چیری ڈھاکہ میں جون ۱۹۷۱ء میں کسی وقت آیا اور شیخ مجیب سے ملا تھا۔ شیخ مجیب کے قتل سے تھوڑے دن پہلے چیری نئی دہلی بھی آیا تھا۔ اور اس سے پہلے وہ اگست میں ڈھاکہ بھی گیا تھا۔ چنانچہ بنگلہ دیش کے لیے سیاسی طور پر یہ آسان ہو گیا کہ وہ اپنی ہر مشکل کا الزام ہندوستان پر لگا سکے۔ مگر مجیب نے ایسا نہ کیا جس پر مجیب قتل ہو گیا۔

بدقسمتی سے وہ ٹینک جو اس ہنگامی اقدام کے طور پر زیرِ استعمال تھے وہ مصر

کے تھے جو کہ مصر نے مجیب کو ۱۹۷۴ء کو بنگلہ دیش کی فوج کے لیے دیے تھے۔

سیاسی سراغ رسانی اور ہنگامی فوجی بغاوتیں امریکن سی آئی اے (CIA) کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہ اس قسم کے تجربات اور اقدام جنوبی امریکہ میں کر چکے تھے۔ بات بڑھتی چلی گئی اور بڑی قیمت ادا کرنا پڑی۔ دنیا کو، بنگلہ دیش میں جو کچھ رُونما ہوا انقلاب کے دوسرے دن تک کچھ علم نہ ہو سکا۔ ڈھاکہ سے یہ نشریہ بذریعہ ریڈیو شائع ہوا کہ یہ جو کچھ بھی کیا گیا ہے۔ ملک اور قوم کے مفاد میں ضروری تھا۔" مجیب الرحمٰن قتل ہو گیا ہے اور اُس کی مطلق العنان حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔"

سنار بنگلہ دیش کی تمام توقعات مجیب کے قتل کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں اور ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جو قوم وجود میں آئی اور ہزاروں لوگوں کے قتل کے بعد جو آزادی حاصل کی گئی اِس کو تاریخ میں بدترین قصے کی حیثیت سے یاد کیا جائے جو اب اختتام کو پہنچا۔

ضمنی انقلاب:

تاریخ خود کو دہراتی ہے اور جلد ہی ۳ نومبر کو جنرل ضیاءالرحمٰن نے بریگیڈیئر خالد مشرف کی مدد سے انقلاب برپا کر دیا اور حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ جنرل ضیاءالرحمٰن ہی تھے جنہوں نے بنگلہ دیش کے صدر کی حیثیت سے وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور کاؤ بھی وہاں موجود تھا جس کے متعلق جنرل ضیاءالرحمٰن نے کہا کہ کاؤ صاحب میرے ملک کے متعلق مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ اور را کی کامیابیوں کو سراہا۔

سکم کی فوجی مہمات:

بنگلہ دیش کے اپریشن ختم ہونے کے چند ماہ بعد جنوبی بلاک کے برآمدے میں سے ہوتے ہوئے را (RAW) کے سربراہ کے دفتر میں ایک سرکاری سول ملازم وارد ہوا۔

اُس نے لوہے کے اُس دروازے پر جو دفتر کو عمارت کے دوسرے حصے میں تقسیم کرتا ہے
تھوڑی دیر توقف کیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ دروازے پر دستک دے اُس کو اندر بلا لیا گیا
اور کانفرس روم کی بڑی سبز میز کے سامنے بٹھا دیا گیا۔

چار آدمی خاموشی سے بیٹھے چسکی لے کر چائے پی رہے تھے۔ یک لخت مہرِ سکوت
ٹوٹی اور وہ بولا۔ بنگلہ دیش کا کام تو اختتام کو پہنچا اب ہمیں دوسرے کام کے متعلق فکر کرنا
ہے۔ دوسرے اس بات کو سن کر بڑے حیران ہوئے کہ دوسرا کام کونسا ہے۔ اور
دریافت کرنے پر اُس نے جواب دیا۔ سکم، سکم، غور کرو کہ اس سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے۔
اس سوال کے جواب کے لیے آپ کے پاس ۲۴ ماہ پڑے ہیں۔ وہ اس صورت میں کہ
حکومت اس پر کیا اقدام اٹھانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ باقی گفتگو اِدھر اُدھر کی باتوں کے تجزیے
پر مشتمل تھی کیونکہ یہ سرکاری میٹنگ نہ تھی۔ مگر سکم کا ایک خیال تھا جو زیرِ غور لایا گیا۔

سکم کا ہنگامہ :

نیپال، بھوٹان، مغربی بنگال اور تبت کے درمیان مشرقی ہمالیہ پر سکم ایک بڑی
خوبصورت اور دلکش وادی واقع ہے۔ اس کی سیاسی اہمیت ہندوستان کی اس سرحد میں
ہے جو تبت کی چمبی وادی اور سکم کے درمیان واقع ہے۔ ۱۷ مارچ ۱۸۹۰ء اینگلو چین
کونشن کے مطابق سکم اور تبت کی سرحد پہاڑوں کے اس سلسلے کو مقرر کیا تھا جو سب سے
اُونچی چوٹی جہاں سے پانی کے دھارے سکم اور تبت کی طرف بہتے ہیں اور اُس سے کے
دریاؤں میں گرتے ہیں۔ یہ سرحدی خط کوہِ گموچی پر بھوٹان کی سرحد سے جا ملتا ہے اور اُس
پانی کے مذکورہ بہاؤ پر جا ملتا ہے جہاں نیپال علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ سکم میں چار قسم کی
نسلوں کے انسان بستے ہیں۔ لپچس، بھوٹانی، نیپالی ۔ اس میں سب سے پرانے
باسی رونگ پا کہلاتے ہیں اور یہ آسام سے آ کر یہاں بس گئے۔ بھوٹانی تبت سے

چودھویں صدی میں آئے اور اس کے بعد نیپالی اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں وہاں وارد ہوئے۔ سکم کا حاکم پیچی بھوٹائی کا فرد تھا جو نیپالیوں کو وہاں سے نکالنے میں اپنے لوگوں کی مدد کرتا۔ مگر نیپالی تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہ بڑا سبب ہے ان دونوں گروہوں کے درمیان کشیدگی کا۔

سکم کی ابتدائی تاریخ اندرونی شورش اور خانہ جنگی سے بھری پڑی ہے جب کہ پڑوسی ممالک کے ساتھ جنگ وجدال عرصہ دراز تک جاری رہی۔ برطانیہ نے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کے بعد سکم کو بھی اپنے زیرِ اثر لے لیا۔ سب سے پہلا معاہدہ جو ۱۸۳۵ میں طے پایا وہ کچھ ایسا تھا۔ "گورنر جنرل نے اپنے بیمار سرکاری افسران کی تبدیلی ہوا کے پیشِ نظر اور دارجیلنگ کی پہاڑی جس کی آب وہوا بہت فرحت بخش ہے، سے فائدہ اٹھانے کے لیے خواہش ظاہر کی ہے کہ اس پر ہمارا قبضہ تسلیم کیا جائے۔ میں سکم پتی راجہ دوستی کے ناطے گورنر جنرل کو دارجیلنگ کا علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کرتا ہوں (تحفے کے طور پر) اور یہ علاقہ بڑے دریا کا جنوبی حصہ بالاسار کا مشرقی کاہیل اور چھوٹے رنجیتا دریا۔ مغربی رنگون اور مہاندی دریا کے درمیان واقع ہے۔" یکم فروری ۱۸۳۵ء۔

اس چھوٹی سی غلطی کا سکم کے راجہ کو ۲۶ سال بعد پتہ چل سکا کہ اس کے بعد کیا ہونے والا ہے۔

بے شمار جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ۱۸۵۰ء میں ایک برطانوی جماعت نے سکم پر چڑھائی کی اور اس میں اضافہ ہوا اور یہ کہا گیا کہ ۱۸۶۱ء کا معاہدہ کیا جائے جو کچھ اس طرح تھا۔ مسلسل قتل وغارت گری، لوٹ مار اور راجہ سکم کے افسران کی بداعمالیوں نے جسے کہ مہاراجہ سکم نے ہمیشہ نظر انداز کیا جس سے لوگوں میں بے چینی پائی جاتی ہے اور اس طرح سے گزشتہ کئی سالوں سے معاہدے کی خلاف ورزیاں رُو بہ عمل آتی رہی ہیں۔ ان سب اسباب نے حکومتِ برطانیہ کو سکم پر چڑھائی کر کے اُس کو اپنے قبضے میں لینے

کا فیصلہ کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

سکم، تبت کی رنجش اینگلو چین معاہدہ ۱۸۹۰ء کے تحت ختم ہوگئی اور سکم کو انگریزوں کے زیرِ نگرانی علاقہ چین نے بھی تسلیم کرایا۔ کلاڈ وائٹ کو ۱۸۸۹ء میں حکومتِ برطانیہ نے اس ریاست کا حکمران مقرر کردیا جس کو پولیٹکل افسر کے عہدے سے نامزد کیا گیا۔ سکم کا راجہ ۱۸۱۸ء میں حکمران بنا تھا مگر بعد میں سکم مسلسل برطانیہ کی زیرِ نگرانی علاقہ رہا یہاں تک کہ انڈین کانسٹی ٹیوشن ۱۹۳۵ء کے یہ باقاعدہ ہندوستان کی ایک ریاست بن گیا۔ تاشی نامگیال کے دورِ حکومت میں متعدد ترقی پذیر اصلاحات نافذ کی گئیں۔ نتیجتاً بہت سی سیاسی پارٹیاں مختلف مقاصد لے کر وجود میں آئیں۔

ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول نے مئی ۱۹۴۶ء کو اعلان کیا کہ درمیان سیاسی انتظامات ایک طرف اور برطانوی ہندوستان اور تاج برطانیہ کو دوسری طرف۔ دونوں کو ایک نقطہ پر اکٹھا ہونا ہوگا۔ لہٰذا یا تو ساری ریاستوں کو موجودہ حکومت کے زیرِ انتظام آنا ہوگا، یا پھر سیاسی حفاظت کا نظامِ عمل نافذ کرنا ہوگا۔ سکم کی صورتِ حال سے بھی سکمی وفد کو مارچ ۱۹۵۰ء میں آگاہ کردیا گیا یعنی ہندوستان کی آزادی کے بعد سکم کو آگاہ کردیا گیا وہ بدستور ہندوستان کی ریاست رہے گا اور اس کے خارجہ تعلقات، دفاع اور مواصلات کی تمام تر ذمہ داری بدستور ہندوستان کی حکومت پر رہے گی۔ جہاں اندرونی حالات اور معاملات کا تعلق ہے، حکومتِ ہند کی زیرِ نگرانی قانون اور آرڈرز نافذ کیے جائیں گے۔

۱۹۴۷ء سے سکم میں ایک ذمہ دار حکومت کے قیام کے لیے مختلف سیاسی پارٹیاں آزاد ہندوستان کے زیرِ نگرانی مطالبہ کرتی رہیں۔ ان پارٹیوں میں سکم سٹیٹ کانگریس پیش پیش تھی۔ سکم نیشنل پارٹی دوسری معروف پارٹی تھی جس کا موقف یہ تھا سابقہ برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات جیسا سلسلہ ہندوستان کے ساتھ جاری رکھا جائے۔ جب کہ پرجا میلن کا خیال تھا کہ ہندوستان میں شمولیت ہی بہتر ہے اور یہی خیال سٹیٹ کانگریس کی تصدیق و تائید

تھے۔ اِن مطالبات سے پبلک تحریکیں شروع ہوگئیں۔ سکم کی حکومت نے چند ایک سٹیٹ کانگریس لیڈروں کو گرفتار کرلیا۔ سکم دربار نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ ایک عبوری حکومت جو منتخب شدہ یا نامزد نمائندوں پر مشتمل ہو، قائم کی جائے۔ صورتِ حال بڑی ابتر ہوگئی۔

اِس حد تک تین گروپ واضح طور پر سمجھ میں آنے والے تھے۔ حکومتِ ہند اس بات سے متفکر تھی کہ ریاست کے کام چلانے کے لیے سماجی تعلقات اور معاشی ترقی میں لوگوں کی مدد اور اعتماد حاصل کیا جائے۔ سکم کے لوگ پُر زور مطالبہ کررہے تھے کہ حکومت منتخب نمائندے چلائیں مگر دوسرا گروپ ایک کوشش میں تھا کہ موجودہ صورتِ حال کو ہی ترتیب دیا جائے۔ چوگال کے نامزد نمائندوں اور پیریٹی کے حصول کے جھگڑے نے ایک معروف وزارت قائم کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔ نتیجتاً ہندوستانی دیوان مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۲۰ مارچ ۱۹۵۰ء کو ایک پریس نوٹ میں یہ شائع کیا گیا کہ حکومتِ ہند ریاست کے دیوان کی حیثیت سے بدستور اپنا کام جاری رکھے گی۔ لیکن ہندوستان کی حکومت کی ترقی یافتہ پالیسی ریاست کے لوگوں کا حکومت کے ساتھ تعاون اور یہ ایک ایسی پالیسی تھی جس کے مہاراجہ بھی پوری طرح سے متفق تھا۔ یہ طے پایا کہ اوّلین اقدام کے طور پر زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایڈوائزری کونسل میں شامل کیا جائے۔ ریاست کے دیہی علاقوں میں منتخب نمائندوں پر مشتمل پنچایت نظام جلد قائم کیا جائے۔ یہ تعلیم کا ایک مؤثر ذریعہ اور ایک معروف حکومت کے قیام کا سبب اور یہ پنچایتیں اپنے طور پر کونسلیں بناسکیں گی جو حکومت کی مشینری چلانے کے لیے اہل ہوں گی اور پھر ان کی ذمہ داریوں کے دائرے کو اور وسیع کردیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ابتدائی معاہدہ طے پا گیا۔

مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۵۰ء ہرنش دارویال پولیٹکل آفیسر سکم کے اور مہاراجہ سکم تاشی نے اُس پر دستخط کیے۔ مہاراجہ تاشی کی وفات کے بعد ۲ دسمبر ۱۹۶۳ء کو پالڈین تھاندوپ

بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہود و ہنود کا خفیہ گٹھ جوڑ ہندوستان کے گاندھی جی کی ملک بدری کے ایام سے ہی عمل میں آچکا تھا۔ یہ اُس وقت کی داستانِ طویل ہے۔ جب انگریزوں کے خلاف تحریکِ خلافت نے اور ہندوؤں نے اپنے اپنے تئیں ہندوستان سے نکل جانے کے لئے تحریکیں چلائیں۔ ایک طرف تحریکِ خلافت تھی۔ جس کے وقتی طور پر ناکام ہو جانے کے بعد مسلم لیگ نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے اور مسلمانوں کے لیئے آزاد مملکت کے حصول کے لئے کوششیں شروع کیں۔ تو دوسری طرف ہندو کانگریس انگریزوں کے خلاف اُبھری فرنگی دشمنی کے سلسلے میں گاندھی کو جب ملک بدر کیا گیا تو اس نے افریقی ممالک میں جاکر پناہ حاصل کر لی۔ عرصہ دراز تک جلاوطن رہے۔ اور افریقہ کی خاک چھاننے کے ساتھ ساتھ یہودیوں کو تلاش کرتے رہے آخر کار ان کو یہ کامیابی اُس وقت حاصل ہوئی۔ جب ایک یہودی جو انگریزوں اور مسلمانوں دونوں قوموں کے خلاف تھا۔ اُس سے ملاقات ہوئی تو گاندھی نے اُس یہودی کے ساتھ مل کر ایک لائحہ عمل تیار کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ مسلمان قوم ہندوؤں اور یہودیوں کی دشمن ہے۔ لہٰذا ہندوستان سے انگریزوں کو نکال کر مسلمانوں کو نہ صرف محکوم بنا لیا جائے بلکہ اُن کو اُن کے دین سے منحرف کر دیا جائے نیز ہندوستان میں یہودیوں کو آباد کیا جائے۔ اور مسلمانوں کو نکال کر اُن کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا جائے اور یہ جائیدادیں یہودیوں کی ملکیت بنا دی جائیں

تخت نشین ہوا۔ اس نے ۱۹۵۷ء میں اپنی بیوی کی وفات کے بعد ۱۹۶۴ء میں ایک امریکن خاتون ہوپ کک سے شادی کرلی۔ اپریل ۱۹۷۵ء میں حکومتِ ہند نے مہاراجہ کی بجائے دہرماراجہ اور مہارانی کی بجائے گیالمو کے خطاب تبدیل کر دیے۔

۱۹۶۷ء کے انتخابات کی سیاسی صورت حال کچھ ایسی تھی۔ ۱۸ منتخب نمائندوں کی سیٹوں میں سے آٹھ سکم نیشنل کانگریس، پانچ سکم نیشنل پارٹی، دو سکم سٹیٹ کانگریس تین ٹوسانگرہ راہبوں اور دوسروں کے پاس چلی گئیں۔ ۱۸ منتخب نمائندوں کے علاوہ چوگائل نے چھ ممبران تین سرکاری اور تین غیر سرکاری نمائندے شامل کر دیے۔ اب سکم کی صورتحال بیرونی مداخلت کے لیے ہموار ہو چکی تھی۔

سی آئی اے کے پھندے:

را (RAW) کی رپورٹ کے مطابق سی آئی اے سکم کی چھوٹی سی سلطنت کے معاملات میں بے جا مداخلت کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ را نے اپنے تعلقات فی الحال منقطع کر رکھے ہیں لیکن سی آئی اے کا ریذیڈنٹ ایجنٹ جو کلکتہ میں مامور تھا۔ سکم میں مختلف لوگوں کے مختلف گروہوں سے بات چیت کرتے دیکھا گیا ہے اور یہ بھی الزام لگایا گیا تھا کہ چوگائل کو آزاد شاہی سلطنت اپنے جھنڈے اور اپنے ہی قومی گیت کے ساتھ آزادی کا اعلان کرنا چاہیے۔ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ چوگائل یو۔ این۔ او کا ممبر بننے کے لیے اجازت مانگے۔ اب سکم میں پھندے ڈالنے اور شکار تلاش کرنے کا کھیل شروع ہو چکا تھا۔ صحیح فضا قائم کرنے کے لیے چوگائل کو ضروری اقدام اٹھانے کے لیے سی آئی اے بدستور اکساتی رہی اور چین کی مداخلت کا پورا یقین دلاتی رہی تھی حالانکہ را (RAW) کی رپورٹ نے اس قسم کی کسی بات کا ذکر نہ کیا تھا کہ ایسے امکانات بھی وجود میں آ سکتے ہیں۔

را نے بنیادی وجوہات کا تجزیہ اکٹھا کیا ؛

سکم. بنگلہ دیش نہ تھا کہ اس پر کوئی ملٹری قبضہ ناقابل تسخیر صورت اختیار کرلے اور اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے (جب کہ عوام کی رائے اندرونی اور بیرونی حالات اور بین الاقوامی دباؤ راہ میں حائل ہو) - اس کا جواب تو سیاسی حل تلاش کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے - ہندوستان سکم کو غیر مستحکم یا بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ہی بیرونی ممالک کی مداخلت کو سکم میں اجازت دے سکتا ہے -

را (RAW) کے نمائندے (ایجنٹس) سکم کے چار اضلاع گنگ ٹوک، مانگن، نامچی اور گائیشنگ میں روانہ کیے جا چکے تھے اور انہیں ضروری اور مفید مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کی ہدایات دی گئی تھیں تاکہ ضرورت پڑنے پر اگر ہندوستان کو مجبور کیا جائے تو حالات کے مطابق مناسب کارروائی کی جائے۔ اٹھارہ ماہ بعد ایک سیاح نے یہ بتا کر مطمئن کر دیا کہ را (RAW) کے چاروں اضلاع میں مکمل طور پر خفیہ کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ اور آئندہ کارروائی کے لیے مکمل نقشہ برائے لائحہ عمل تیار کیا جا چکا ہے - اس کے بعد وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے سکم کے متعلق مکمل غور و خوض اور تبادلہ خیال کیا - اب حالات بظاہر اس موڑ پر تھے کہ سی آئی اے (C I A) کی تمام تر کوششیں ایک ظالمانہ اور جابرانہ نظام حکومت سکم پر مسلط کرنے میں ناکام ہو چکی تھیں مگر خون ریزی کا خدشہ بہت بڑھ چکا تھا - لیکن ہندوستان تو سکم کی فضا کو پر امن اور خوشحالی پر ایمان رکھتا تھا - کیونکہ یہ بھی ایک واضح امر ہے کہ ایک غیر مستحکم پڑوسی ہندوستان کی قومی سلامتی کے لیے خطرناک دھمکی کا باعث بن سکتا ہے -

سکم میں حالات دن بدن بگڑتے گئے ۔ اکثریتی گروہ (نیپالی) کو بے یار و مددگار اقلیت کی حیثیت سے حکومت کے معاملات میں شمار کیا جانے لگا - جس کا نتیجہ کا یہ نکلا کہ

کھلے بندوں چوگائل کو ختم کرنے اور اس کی برتری کے خاتمے کی دھمکیاں سُنی جانے لگیں۔ را (RAW) کو آگے بڑھنے کا اشارہ مل چکا تھا۔ وزیرِ اعظم کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس بات پر بہت پشیمان تھی جب اُس کے اِس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ را چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اپنا کام مکمل کرلے گی۔ یہ جواب اُس کے اس سوال کا تھا" را کب اپنا کام شروع کرے گی" تو یہ جواب سُن کر ششدر رہ گئی۔

رہنماؤں کے قتل کا منصوبہ :

ریفرنڈم کے سلسلے میں کی گئی کوششوں کے دوران جب ہندوستان سے الگ رہنے کے لیے اور چوگائل کے خاتمے کے لیے لوگوں نے ناقابلِ برداشت حد تک ووٹ دیے تو تو سونم تشرنگ کی گرفتاری سے مکمل منصوبے کی تفصیلات واضح ہوگئیں۔ سونم تشرنگ سکم کے کانگریسی لیڈروں کے قتل کے لیے ایک کرائے کا ٹٹو (قاتل) تھا۔ سونم نے یہ تسلیم بھی کیا تھا کہ اس کو کیپٹن یونگڈا جو سکم گارڈز گروپ کا لیڈر تھا، نے ۶۰۰ روپے اور اسلحہ فراہم کیا تھا۔ کیپٹن یونگڈا چوگائل کے اے ڈی سی کی حیثیت سے ملازم تھا اور حال ہی میں اس کے ساتھ نیپال بھی جاچکا تھا۔ اسی وجہ سے کیپٹن یونگڈا کو سکم سے دو کلومیٹر دور شمال میں گرفتار کرلیا گیا۔ کیپٹن یونگڈا نے پولیس کو بیان میں کہا کہ سیاسی لیڈروں کے خاتمے کا منصوبہ چوگائل نے تیار کیا تھا اور یہ پلان یعنی منصوبہ دو ماہ قبل تیار کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے لیڈروں کو دھوکے سے قتل کرنے کا منصوبہ سکم کے لوگوں میں بے چینی پھیلانے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اپنے منصوبے کو کامیاب عملی جامہ پہنانے کے لیے بموں کے دھماکے، لوٹ مار اور آتش زنی کے یک لمحی پروگرام تیار کیے گئے۔ کیپٹن یونگڈا نے مزید انکشاف کیا کہ مسٹر ایم رسیل آڈیٹر جنرل اینڈ پریس پبلسٹی سیکرٹری حکومت سکم جواب برطرف کردیا گیا ہے اور کیپٹن دنانانڈ چیرنی ایڈجوٹنٹ سکم گارڈز کو

پلان تیار کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ بارہ ایجنٹ گینگ ٹوک کے لیے اور آٹھ باقی سکم کے لیے تیار کیے گئے تھے اور ان کو اسلحہ فراہم کیا گیا تھا۔

رسیل نے اسلحہ سکم گارڈز سے اور بم کلکتہ سے حاصل کر کے ایجنٹوں کو فراہم کیے تھے اور ہر ایجنٹ ۲۰۰۰/- روپے فی کس بطور بیانہ ادا کیے تھے اور ان کو اگر ضرورت محسوس ہو تو جعلی دستاویزات بھی برائے حفاظت مہیا کی گئی تھیں۔

اس کے چار یوم بعد ۱۱ راپریل کو چوگائل محل کے قریب مدفون اسلحہ کی ایک پیٹی بھی برآمد کر لی گئی۔ یہ اسلحہ جان بوجھ کر اسلحہ خانہ سے چرا کر چھپائی گئی تھی۔ مگر حکومت نے چوگائل کے اس بیان کو لغو سمجھ کر اس قصے کو ختم کر دیا کہ اسلحہ اس لیے چھپایا گیا تھا کہ بد دیانت لوگوں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

را (RAW) افسران نے ایسے لوگوں کے ساتھ قریبی رابطہ بدستور قائم رکھا جن کو جمہوریت کی بحالی کے لیے موزوں اور مددگار سمجھا جاتا تھا۔ سکم کے لوگوں کی اوّلین خواہش تھی کہ موجودہ حکومت تبدیل کر دی جائے اور وہاں کی مختلف قبائل اور چھوٹے چھوٹے کنبوں پر مشتمل ساری آبادی را کو بیرونی پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنے میں پوری پوری مدد دے رہی تھی۔ اس پروپیگنڈے کا مقصد چوگائل کے ادارے کو ختم کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

کی آبادی تقریباً ۲۵۰۰۰ نفوس اور اُن کے حامی بھوٹائی ۲۳۰۰۰ نفوس پر اور جس میں کہ ایک اقلیت تسانگ بھی شامل تھی مگر نیپالی جن کی آبادی ایک لاکھ چونتیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی (جیسا کہ ۱۹۷۱ء کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے) را کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ چوگائل سے روایتی طور پر چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اس خیال سے کہ ایسے لوگوں کو منتخب کر لیا جائے جو ان کے قبیلے میں مقبول ہوں۔ اور ان سے کہا گیا کہ اس خیال

یا تصور کا پروپیگنڈا کریں۔ اس کام کے لیے فنڈز (رقوم) مہیا کی جا چکی تھیں۔ چند ایک کو یقین دلایا گیا کہ یہ خطرناک رقم ہے۔ تاہم ان کو ادائیگی نہ کی گئی، وغیرہ وغیرہ۔

را (RAW) کے ذرائع کے مطابق چوگائل کی ہوپ کک سے شادی اور سی آئی اے کے مفادات سکم میں ایک ہی وقت میں واقع ہوئے۔ ہوپ کک امریکی خاتون تھی۔ اسی وجہ سے چوگائل کے خلاف لوگوں کا غم و غصہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں ہندوستان کی فوج نے چوگائل کو بچانے کے لیے مداخلت کردی۔ ۸ مئی ۱۹۷۳ء کو چوگائل نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس میں یہ طے پایا گیا تھا کہ ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کے تحت ایک نمائندہ حکومت منتخب نمائندوں پر مشتمل مقننہ ہر چار سال کے بعد بنائی جائے گی۔

اس معاہدے کی رُو سے انتخابات کا انعقاد ۲۳ اپریل ۱۹۷۴ء کو ہونا تھا۔ سکم سٹیٹ کانگریس، سکم نیشنل پارٹی اور سکم جنتا کے بین میں مقابلہ ہوا۔ نتیجہ قاضی   ڈورجی کی قیادت میں ہوا۔ یہ فیصلہ سکم سٹیٹ کانگریس کے حق میں کیا جنہوں نے ۳۲ میں سے ۳۱ نشستیں جیت کر اقتدار حاصل کر لیا اور نیشنل اسمبلی وجود میں آ گئی۔ سکم کی اس منتخب نیشنل اسمبلی نے ہندوستان کے ساتھ قریبی مضبوط تعلقات قائم کرنے اور سکم کو ہندوستان کا اتحادی بننے کی تجویز پیش کی۔ اس بنا پر انڈین پارلیمنٹ نے ایک قانون مرتب کیا۔ (۳۶ ویں ترمیم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کے تحت سکم کو اتحادی ریاست کا درجہ مل گیا۔ اس کے بعد سکم نیشنل اسمبلی کو چوگائل کے سامنے لا کھڑا کرنے کا دوبارہ کوئی موقع فراہم نہ کیا اور سکون قائم ہو گیا۔

ریفرنڈم :

ایک قرارداد سکم اسمبلی نے ۱۰ اپریل کو پاس کی جس میں کہا گیا کہ سکم اسمبلی ختم کی جائے [illegible]

چند منٹ بعد وزیرِ اعلیٰ کازی چوگائل نے وزیرِ اعظم کو مطلع کیا اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تاکہ وہ نئی دہلی میں صدرِ ہند کو اور وزیرِ اعظم کو ذاتی طور پر اس فیصلے سے آگاہ کر سکے۔ چوگائل ڈورجی نے اس فیصلے پر جلد از جلد عمل درآمد اور مناسب ممکنہ اقدام کے لیے بھی مشورہ طلب کیا۔ خاص پول میں ۶۰ فی صدی سے زائد سکمی لوگوں نے اس ریفرنڈم میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس بگڑتی ہوئی صورتِ حال اور جی او آئی کے فیصلے کو مسٹر وائی بی چاون وزیرِ خارجہ کی مندرجہ ذیل بیان سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

"معززِ ممبران کو میں سکم میں متعدد ترقیاتی اقدام سے باخبر کرنے کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مطلع کرتا ہوں، جیساکہ سب کو معلوم ہے۔ ۸ مئی ۱۹۷۳ء کے معاہدے جو کہ سکم حکومت ایکٹ ۱۹۷۴ء کے تحت قرار پایا تھا، کی رُو سے حکومتِ ہند نے سکم کے لوگوں کی معاشی خوشحالی اور سماجی ترقی کے لیے جمہوری طرزِ حکومت کے تحت جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں ان سے کون باخبر نہیں۔"

ان معاہدوں کو سکم کی سیاسی تنظیم اور چوگائل دونوں کی تائید و تصدیق حاصل ہے۔ پھر بھی ایسے تمام انتظامات اور اقدامات جو کہ ایسی ذمہ دار حکومت نے ترتیب دیے جو منتخب نمائندوں پر مشتمل ہے اور دوسری طرف چوگائل حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے قانون سازی میں مصروف ہے۔ ان سب اقدام کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ چوگائل کے خلوص کو بدنیتی سے دیکھا جائے اور اسی طرح چوگائل کو بھی جمہوری طرزِ عمل کو قبول کرنے پر ہے جس کے تحت کہ وہ جمہوری نظامِ حکومت میں اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہیں کر سکتا جیساکہ وہ گزشتہ دو ادوار سے کرتا چلا آ رہا ہے۔

جیساکہ تمام ممبران کو معلوم ہے کہ گزشتہ ۲۰ برسوں میں کئی مواقع پر سکم کے ـــ اور سیاسی لیڈروں نے متعدد بار ہند سے چوگائل کے ادارے کو

ختم کرنے کی درخواست کی ہے۔ حکومتِ ہند نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اس ادارے کی حفاظت کی جائے۔ حالانکہ یہ ایک شاہی ریاست ہے اور ملک میں جمہوری نظام کی علمبرداری کے باوجود شاہی نظام خود بخود ختم ہو چکا ہے۔ سکم کے معاملے میں حد سے بڑھنے کے عمل کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم نے ہمیشہ خصوصی طرفداری سے کام لے کر اس خیال پر کہ چوگائل ذمہ داری کا ثبوت دے گا، چشم پوشی کی۔ جہاں تک موجودہ حکومت سکم اور اُس کی قومی اسمبلی کا تعلق ہے۔ وہ ایک پہلی حقیقی نمائندہ حکومت ہے جو ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کے تحت آزادانہ اور بڑے اچھے ماحول میں منتخب ہوئی۔ اُس نے بھی گزشتہ کئی مہینوں کی طرح چوگائل کے خاتمے کا مطالبہ کیا ہے۔ حالانکہ وزیرِ اعلیٰ نے گزشتہ سال ستمبر میں واضح بھی کر دیا تھا اور تنبیہ کی تھی کہ اگر سکم میں جمہوریت قائم ہو گئی تو چوگائل ختم ہو جائے گا۔ ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے اور اس بات کے اس امید اور توقعات کے ساتھ پابند رہے ہیں کہ شاید چوگائل تعمیری اقدام اور قانونی کردار ادا کرے گا۔ تاہم ہم نے چوگائل پر واضح کر دیا تھا کہ جب کہ ہم سکم میں چوگائل کے ادارے کی حفاظت کے لیے گزشتہ کئی برسوں سے کوشاں ہیں۔ کیونکہ ہم خوشحالی سمیت سکم کے لوگوں اور منتخب نمائندوں کی خواہشات اور مفادات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اب سکم میں حالات کی نوعیت بڑی خراب صورت اختیار کر چکی ہے۔ جس دن سے نئے انتظامات عمل میں لائے گئے ہیں اُس دن سے چوگائل نے اپنے بیانات اور اقدامات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مقننہ کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا ہے اور اُس نے اپنے اقدام سے منتخب نمائندہ حکومت کی اور اُس کے اقدام کی ہمیشہ مخالفت کی۔

گزشتہ چند ماہ سے سکم کے وزیرِ اعلیٰ اور اُس کے رفقاء کار نے وزراء کی کونسل اور اسمبلی میں کئی بار قراردادیں پیش کی ہیں اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ حکومتِ ہند کی توجہ چوگائل کی جانب سے ہونے والی کارروائیوں کی طرف دلائی جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ چوگائل

حے ہوتے ہوئے جمہوریت پنپ نہیں سکتی۔ مگر ہم اس امید پر تھے کہ سکم کے سیاسی لیڈروں کو
صبر کی تلقین کرتے رہے کہ شاید سکم کے لوگوں کی خوشحالی کی خاطر اور چوگیال خود اپنے مفاد کی خاطر
عقل و دانش سے کام لے گا۔ بدقسمتی سے ان تمام امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔ گزشتہ چند ماہ
سے چوگیال نے جان بوجھ کر ریاست میں افراتفری پھیلانے کے اقدام اٹھائے۔ سکم کے
منتخب نمائندوں نے پرزور احتجاج کیا ہے اور حکومتِ سکم کے ایکٹ کا اور جمہوری قدروں کا
جس کا کہ وہ خود گزشتہ چند ماہ سے پرچار کرتا رہا ہے، ان سوالوں کا جواز پیش کیا ہے۔
انہوں نے اس پروپیگنڈہ کو بھی افشا کیا ہے جس کی وہ خود پشت پناہی کرتا ہے۔ حکومتِ سکم
اور حکومتِ ہند کو بالخصوص دلی صدمہ ہوا۔ گزشتہ ہفتوں میں یہ جان کر کہ عام لوگوں اور سیاسی
لیڈروں کو دھمکیاں، ہراساں کرنا اور جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور سکم میں
قانون شکنی کی حوصلہ افزائی کی گئی جس سے سیاسی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ وزیر اعلیٰ کو قتل
کرنے کی کوشش کی گئی۔ بموں کے دھماکے اور چوگیال کے کارکن نے ایک منتخب نمائندہ اسمبلی
کو چھرا اُس وقت گھونپ دیا جب کہ وہ چوگیال کے ساتھ دورے پر تھا اور کئی ماہ میں کئی
خبریں گزشتہ چند یوم سے آئی گئیں۔ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت منتخب نمائندوں کو
ہراساں کیا گیا۔

چوگیال کے منتخب نمائندوں کے ساتھ جلد بگڑتے ہوئے تعلقات کے پیش نظر ہم
نے سیکرٹری وزارت خارجہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ گنگٹوک کے [illegible] کے لیے
روانہ ہوں۔ سیکرٹری خارجہ نے خاص کر چوگیال کو اس امر سے واضح کیا کہ انتہائی کوشش
کی اور سمجھایا کہ ہم نے منتخب نمائندوں کو اس امید پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے کہ چوگیال
ان کے مقابلے میں آنے کی بجائے ان کے ساتھ تعاون کرے گا۔ مگر بدقسمتی سے یہ
کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی۔

قانون شکنی کے بدترین واقعات اور ناگفتہ بہ حالات کے باعث ...

کے لیڈروں کی زندگی کے خاتمے کی دھمکیوں اور شکوک کے پیشِ نظر (چیف منسٹر) وزیرِاعلیٰ سکم نے خاص درخواست دی تھی کہ سکم کی گارڈز کو فوراً غیر مسلح کر کے آزاد کر دیا جائے اور چوگائل کے لیے بے شمار لوگوں کو سرکاری خزانے کے خرچ پر ملازمتوں پر نہ لگایا جائے۔ معزز ممبران کو واضح ہو کہ چوگائل کے لیے ۰۰۰م لوگوں کو محل کی حفاظت پر مامور کر کے پبلک کے خزانے پر جو بوجھ ڈالا ہوا ہے، اُسے ختم کیا جائے۔ یہ اقدام ریاست میں قانون اور امن کے لیے بہت ہیں جو کہ حکومتِ ہند کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ حکومتِ ہند نے ۹ اپریل کو سکم گارڈز کو غیر مسلح کر دیا اور دوسری بڑی مانگ کے اعزاز میں سکم کو ہندوستان کی ریاستوں کے اتحاد میں بائیسویں نمبر پر شامل کر کے اس خواہش کے احترام کو بھی برقرار رکھا اور ۲۶ اپریل ۱۹۷۵ء کو ہندوستان میں شامل کر لیا گیا۔ اس سے ایک بڑی خونریزی اور جمہوریت کی تباہی سے نجات مل گئی۔ اس طرح سے را کا کام مکمل ہوا اور ایک بڑی طاقت کی سراغ رساں ایجنسی کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ یعنی سی آئی اے آف امریکہ۔

را (RAW) نے ان تمام حالات پر کیسے قابو پایا؟ یہ ایک راز ہے جو اُس وقت تک راز رہے گا جب تک کہ اس کو عام لوگوں کی اطلاع کے لیے برسرِعام لانے کی اجازت نہیں ملتی، یا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

ایٹم بم بنانے کے منصوبے کی منظوری:

چار سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۹۶۸ء میں ہندوستان کے سائنسدانوں نے جب کافی مقدار میں پلوٹینیم کا سٹاک اکٹھا کر لیا تو وکرم سارابھائی اندرا گاندھی سے ملے اور اُن کو بتایا کہ ہندوستان اب ایٹمی دھماکے کے قابل ہو چکا ہے۔ اگر حکومت اجازت دے تو کام شروع کیا جائے۔ وزیرِاعظم مسز اندرا گاندھی نے اپنے رفقائے کار سے مشورے

کے بعد "GO AHEAD" یعنی آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس سلسلے میں پورنیما پروجیکٹ کی منظوری دے دی گئی۔ لیکن اس پروجیکٹ کو خفیہ رکھنے کے لیے اہم اقدامات کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حفاظتی اقدامات کا یہ اہم کام را (RAW) کے سپرد کیا گیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ را کو ہندوستان میں کسی پروجیکٹ میں ملوث کیا گیا۔

پورنیما :

(GO) آگے بڑھنے کا اشارہ تو مل گیا مگر پورنیما پروجیکٹ کی عمارت پر خرچ کا تخمینہ لگانا ابھی باقی تھا۔ تجرباتی بریڈر ری ایکٹر جو کہ کلپکم کے مقام پر مدراس کے نزدیک بنانے کا منصوبہ تیار کیا جانا تھا اس کے لیے بجٹ میں مطلوبہ فنڈز مہیا کر دیے گئے۔ مگر اس خبر کو چھپانے کے لیے کلپاکم کے بجائے پورنیما کو مشہور کر دیا گیا تاکہ اصل ٹھکانے کا پتہ نہ چل سکے۔ اور اس حکمتِ عملی سے سائنس دانوں نے را (RAW) کی نصیحت پر سختی سے عمل کیا جس کے نتیجے میں راز افشا نہ ہو سکا اور حفاظتی اقدام درست ثابت ہوئے۔ را کے ذمہ یہی کام تھا کہ اس کام کو مکمل طور پر خفیہ رکھا جائے۔ چنانچہ آخری لمحہ تک ایسا ہی ہوا۔

۱۹۶۴ء کے آخری ایام میں ہومی بابا نے ایک بیان میں کہا کہ ہندوستان کے سائنسدان اور انجینئر ایٹمی بم کا دھماکہ اٹھارہ ماہ کے اندر کرنے والے ہیں۔ وہ ایٹمی توانائی کے ہر پہلو پر تجربہ حاصل کر چکے ہیں اور مختلف ایٹمی معدنی کاموں کو مختلف شہروں کے ساتھ وابستہ کر دیا مثلاً اجودھیا بہار میں ایٹمی کام، دھات کا کام نرائنے میں، حیدرآباد میں دوسرا کام اور اسی طرح، وغیرہ وغیرہ۔ اس کام میں فرانس کی حاصل کی گئی ہے۔

۱۹۶۴ء کے بعد اس میں مزید توسیع کی گئی۔ ہندوستان کے مغربی علاقہ راجستھان میں اس سلسلے کی کڑی کے طور پر کینیڈا کے دیے ہوئے دو ری ایکٹر (ایٹمی بجلی گھر) تعمیر کیے گئے۔ کینیڈا کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ان ایٹمی بجلی گھروں کے بہت سے

اُدھر زارِ رُوس کا خاتمہ کر کے وہاں یہودیوں کی حکومت قائم کی جائے۔ اور فلسطین میں یہودیوں کو دوبارہ غلبہ دلایا جائے۔ اور پھر آہستہ آہستہ دھکیل کر خیبر تک یہودی ریاست قائم کی جائے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ بات سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوگی۔ کہ یہ حقائق تاریخ کے لحاظ سے بالکل صحیح اور واضح ہیں۔ گو اوپر کے فقرات میں ترتیب کے لحاظ سے کمی و بیشی اور واقعات کا تسلسل قائم رکھنے اور تاریخ کے واقعات کو ترتیب میں رکھ کر ذہن نشین کرنے میں ذرا سی دشواری تو ضرور ہو سکتی ہے۔ مگر ان واقعات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب یہودیوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو ان کو خیبر اور دیگر عرب بستیوں میں امن اور صلح کے ساتھ رہنے کے لئے جزیہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مہذب لوگوں کی زندگی بسر کرنے کی نہ صرف اجازت دے دی گئی بلکہ معاہدے ہوئے۔ مگر یہودیوں نے ہر معاہدے کی نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے جس کی وجہ سے ان کو عرب ممالک سے نکالا گیا۔ چنانچہ انہوں نے یورپی ممالک میں جا کر پناہ حاصل کر لی۔ مگر وہاں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ چنانچہ انگریزوں نے ان کو یورپ سے مار بھگایا۔ ان میں سے کچھ یہودی رُوس میں اور کچھ افریقہ کے ساحلی ممالک اور بعض امریکہ بھاگ گئے۔ اس وقت سے یہودی مسلمانوں اور انگریزوں دونوں کے خلاف مصروفِ جنگ ہیں۔

ہنود بھی کچھ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بچھڑا پوجنے والی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے ہی ہر اس قوم کے خلاف ہیں۔ جو اللہ اور اور اس کے نبیوں پر ایمان رکھتے ہوں۔ قرآن اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کی سمجھ میں یہ بات بآسانی آجاتی ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں سامری نے بچھڑا بنا کر اسے لوگوں کو اپنا پیروکار بنا لیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی پر ان لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام،

حصے ہندوستان میں ہی تیار کر لیے گئے جس سے ایمی توانائی کو مزید ترقی دینے میں بہت مدد ملی۔ اس خاکے کو (پلان کو) یا منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پرائیویٹ صنعتی اور انجینئرنگ اداروں نے بڑی مدد دی جس میں لارسن ٹیرو (انڈیا) لمیٹڈ مولجند نگر لمیٹڈ اور بھارت الیکٹرانکس لمیٹڈ کے نام سر فہرست ہیں جن کے تجربات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہندوستان اس کام کے پاور پلانٹ انجینئرنگ ڈویژن ایمی توانائی کمیشن کے لیے ٹھیکے ہندوستان کے اندر ہی ۱۹۶۴ء اور ۱۹۷۰ء کے دوران میں دینے اور ان کی تکمیل سے اہل ہو گیا جس سے ری ایکٹر شیلڈز اور سٹیل کی ملی ہوئی دھات کی چادریں ہر ایک ۱۲۰ ٹن وزنی تیار کرنا تھیں۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی کتاب "انڈیاز نکلیئر بم شیام بھاٹیا دکاس ۱۹۷۹ء" ملاحظہ ہو۔

۱۹۷۰ء میں ری ایکٹر تکمیل کے قریب پہنچ گیا۔ تب حکومت کے ایمی توانائی کے منصوبے کی دھندلی سی تصویر نظر آنے لگی۔ اس راز کو پہلی بار سنڈے ٹیلیگراف کے ایک کالم نگار نے ایک اخبار میں افشا کیا اور یہ خبر کچھ اس طرح بن کر پھیلی کہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۰ء تک ایٹم بم تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل دی گئی ہے جو اس کی لاگت کا تخمینہ لگانے گی۔ اس کے بعد ۲۵ مئی کو "ہندو" مدراس میں یہ خبر ایک مضمون بن کر ابھری جس میں کہ ہندوستان میں ۱۹۸۰ء تک ایٹمی توانائی کا تخمینہ ۲۷۰۰ میگا واٹ اور پہلا چھوٹا انڈین سیٹلائٹ ۱۹۷۴ء تک تیار ہو جائے گا۔ اس کے بعد مختلف قسم کی قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔

ایمی توانائی کا سامان جو کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے خریدا جا رہا تھا اور اس کی سپلائی نے را (RAW) کے سپیشل ڈیسک کی اس طرح سے بہت مدد کی کیونکہ پریس کی قیاس آرائیاں اور بیرونی انٹیلی جینس کے تجزیہ نگاروں کے قیاس پر مبنی بیانات اس پلان کو اپنی خفیہ نگرانی پر مخفی رکھنے اور اس کو ترقی کے لیے بڑے معاون ثابت ہوتے

تھے۔ لیکن جہاں کہیں کسی کام کے لیے لوکل مینوفیکچرز میں کوئی دشواری پیش آتی تو را نے اس کے لیے انجینئرز اور ٹیکنیکل سٹاف مقامی کمپنیوں سے لے کر تربیت کے لیے کنیڈا بھیج دیا اور وہ ایک مخصوص مدت میں کنیڈا سے اس سلسلے میں مکمل مہارت حاصل کر کے واپس آ گئے۔

کچھ ہی عرصہ بعد را (RAW) نے اپنے عارضی جاسوس پاکستان میں بھی داخل کر دیے تاکہ وہ اس سلسلے کے مختلف مخصوص پہلوؤں کے متعلق تکنیکی معلومات فراہم کر سکیں۔ را کے اندازے کے مطابق یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ پاکستان اپنی مالی مشکلات کی وجہ سے ایٹمی توانائی کی وافر معلومات ہونے کے باوجود ۱۹۸۵ء سے پہلے اس پر عملدرآمد کرنے کے اہل نہیں ہو سکتا۔

اس وقت تک ہندوستان یورینیم کو بھاری پانی میں بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، چنانچہ ایسا نہ ہو سکا۔ ایٹمی دھماکہ کرنے کی صلاحیت کا سارا دارومدار اپنے ہی وسائل پر موقوف تھا۔ ۱۹۶۴ء میں پلوٹونیم سائرس ری ایکٹر ہی تیار کیا گیا۔ یہ ری ایکٹر (REACTOR) ۱۰ کلوگرام پلوٹونیم تیار کرنے کی اہلیت رکھتا تھا جس سے سالانہ دو چھوٹے چھوٹے بم تیار کیے جا سکتے تھے مگر درحقیقت کچھ ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر سائرس ری ایکٹر اس سے بھی کم تعداد پیدا کرنے لگا۔ ۱۹۶۹ء میں ایک چھوٹے ماڈل کو بڑے یونٹ میں بدل دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۷۲ء میں امپلوژن میتھڈ (باریک کرنے کا طریقہ) استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس سے پلوٹونیم کے آمیزے کو بیرونی طور پر بارودی مادے کو لپیٹنے کا ایک نیا طریقہ مل گیا۔ اس طریقے سے بارودی مادہ دھماکے سے پھٹنے کے لیے پلوٹونیم کی مدد کرتا اور اس طرح ایٹمی دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اندرا گاندھی کے ادارے کے سب لوگ را کی نگرانی میں پچھارن سنٹ کے لیے جمع ہو گئے۔ اس مرحلے تک ہندوستان ایٹمی دھماکوں

پر پابندی کے معاہدے کا ممبر تھا، اس لیے جو بھی تجربہ کیا گیا، خفیہ طریقے سے کیا گیا۔ اور اس طرح ایٹمی دھماکہ کی صلاحیت کا موقع فراہم ہو گیا۔

سخت حفاظتی اقدام :

را (RAW) کا اہم اصول "معلومات کی ضرورت" "NEED TO KNOW" کے تحت اس بات پر پابند ہے کہ اطلاعات صرف چند ایک منتخب چوٹی کے لوگوں کو ہی فراہم کرنا ہوتی ہیں جس میں وزیرِاعظم اندرا گاندھی، ہومی سیٹھنا (جو کہ سارا بھائی کے بعد اُس کی جگہ چیئرمین انرجی مقرر ہوئے) ڈاکٹر راجہ راماننا ایٹمی سائنسدان سربراہ (بی اے آر سی) ٹرامبے، ڈاکٹر پی کے آئنگر اور آر این کاؤ سربراہ را (RAW) شامل ہیں۔

اس پلان کے مختلف حصے ملک کے اندر مختلف مقامات پر تیار کرنے کے لیے کئی ایک ٹیمیں ترتیب دے دی گئیں۔ اُونچی سطح پر ایک گروپ کو صرف تجربات کے لیے چُنا گیا جو تجربہ کرنے کے وقت آناً فاناً تجربہ گاہ پر پہنچ جاتا۔ فوجی انجینئروں پر مشتمل ایک ٹیم جنوری میں ترتیب دی گئی جنہوں نے اس ضمن میں تجربات شروع کیے۔ ملٹری کے حرکت میں آنے کے عمل کو دیکھنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ یہ معمول کی بات ہے اور ان پر کوئی شک نہ ہوتا۔ ابھی تک پوکھاران تجربے سے کوئی تعلق پیدا نہ ہو سکا۔

مارچ ۱۹۷۳ء میں ایک فرضی جعلی تجربہ جنوبی ہندوستان کے اندھرا پردیش کے جنگلات میں عمل میں لایا گیا محض لوگوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ ہندوستان کا پہلا ایٹمی دھماکہ ناکامیاب ہو گیا۔ را (RAW) کی غلط افواہیں پھیلانے کی اس کوشش سے بیرونی ممالک کی سراغ رساں ایجنسیوں کو یہ سب خبریں جھوٹ ہونے ثابت ہوئیں۔ اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔

دوسری طرف مسز اندرا گاندھی کو روزانہ کی ترقیاتی سرگرمیوں سے باقاعدہ طور پر

آگاہی ہوتی رہی۔ ایک یہ افواہ منظرِ عام پر آئی کہ مذکورہ بالا منتخب شدہ کمیٹی کی میٹنگ کے نوٹس (minutes) غلطی سے گم ہو گئے۔ اس کے بعد را (RAW) کی نصیحت کے مطابق اس سلسلے میں بحثوں کے دوران نوٹس لینے کی پابندی عائد ہو گئی اور میٹنگ کی تمام کارروائی کے بعد ٹائپ کے کاربن اور ربن جلا دیے جاتے تاکہ کیبنٹ میٹنگ کی خاص خاص خفیہ باتیں راز میں رہ سکیں۔

پوکھاراں کا حادثہ :

۱۸ مئی ۱۹۷۴ء کو جب ۵ اکیلوٹن وزنی پلاٹینیم پلان برائے امن کا دھماکہ کیا گیا تو پوکھاران تجربہ کی خبریں دنیا کی اخباروں میں شہ سرخیوں کی سے چھاپی گئیں جس سے بیرونی ممالک کے انٹیلی جینس تجزیہ نگار بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ را (RAW) نے اس تجربے کے سارے ترقیاتی مرحلوں کو سختی سے رازداری میں رکھا ہوا تھا۔

ہندوستان میں ایٹمی ہتھیاروں کی مانگ نہرو کی زندگی ہی میں ۱۹۶۳ء میں بڑھی۔ جب کہ چین نے ۱۹۶۴ء میں ایٹمی دھماکہ کیا۔ یہ مطالبہ بڑھتا ہی گیا۔ سیاسی پارٹیاں حکمران پارٹی بالخصوص کانگریس بھی اسی میں شامل تھی۔ شاستری نے جب نہرو کے بعد ۱۹۶۴ء میں اقتدار سنبھالا ایٹمی ہتھیاروں کی ترقی میں لچک دار رویہ اختیار کیا۔ ۱۹۶۵ء کے آخر میں ڈاکٹر ہومی بھابھا ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔

اس حادثہ سے مطلوبہ مقاصد کے حصول میں مایوسی پھیل گئی۔ تخریب کاری کا ابھی تک کوئی سراغ نہ لگ سکا۔ بھابھا جس نے ہندوستان میں خود اعتمادی پر مبنی ایٹمی توانائی کا پروگرام تیار کیا تھا اور اس پروگرام کو ہندوستانی سائنسدانوں نے ایٹمی توانائی سے چلنے

والے ایٹمی پلانٹ کے لیے بھی۔ یہ اسی کے لیے تیار کیا تھا۔ پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی توانائی پلانٹ یہ دفاعی ہتھیاروں کی پیداوار میں بھی مددگار ثابت ہوتی۔ اس کے ساتھ دو طرح کے مقاصد کا حصول (۱) ایٹمی بجلی گھر کا چلانا (۲) دفاعی ہتھیاروں کی تیاری تھے۔

۲۶ جون ۱۹۴۶ء کو نہرو نے بمبئی میں اپنی ایک تقریر میں خیالات کا اظہار اس طرح سے کیا تھا۔

"جب تک یہ دُنیا زندہ ہے، ہر ملک کو حق پہنچتا ہے کہ وہ سائنس کے میدان میں پلان تیار کرے اور جدید سائنس سے اپنی حفاظت کا بندوبست کرے۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے سائنس دان ایٹمی توانائی تعمیراتی مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔ لیکن اگر ہندوستان کو دھمکی دی گئی تو ہندوستان اپنے ہر قسم کے وسائل سے اپنی حفاظت کرے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ ہندوستان ایٹم بم کے استعمال کے خلاف ممالک کا ساتھ دے گا۔"

۴۴ سال بعد بھی نہرو کے خیالات ابھی زندہ ہیں۔ بیرونی انٹیلی جینس ایجنسیاں ہندوستان کے ایٹمی دھماکے کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔ وہ بڑا قریبی رابطہ اور کڑی نگرانی کرتے ہوں گے مگر ایٹمی توانائی میں ترقی کرنا ہندوستان پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ سراغ رسانی میں کامیاب ہو جائیں گے مگر اس کا انحصار ہندوستان کی سراغ رساں ایجنسی کے حفاظتی اقدام کی نوعیت پر ہے۔ فی الحال تو وہ خود کو نکما اور ناکام ہی سمجھیں۔

اُمورِ خارجہ :

تمام خفیہ یا کھلی خبریں کسی ملک کی خارجہ پالیسی یا داخلی پالیسی میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن محکمہ سُراغ رسانی کا طریقِ کار وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ عام طور پر یہ

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ سُراغ رسانی کی فراہم کردہ اطلاعات پچاس فی صد خارجہ امور اور پچاس فی صد دفاعی امور میں پالیسی سازی میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں پالیسیوں کا ایک دوسری سے گہرا تعلق ہے۔ یہ ایک عیاں امر ہے کہ ایک سادہ سی مشین ان خبروں کی فراہمی کے لیے ایمبیسی یا سفیر کیبنٹ کی پشت پناہی میں ایک کیس آفیسر یا ڈیسک آفیسر اپنا کام سرانجام دے سکتا ہے۔

اسٹیشن چیف سفارت خانہ کی پناہ میں رہ کر مخصوص اور مفید مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ ساری دنیا میں یہ طریق کار رائج ہے۔ سفارتی پناہ نہ صرف سفارتی امور سے متعلق بلکہ ایسے مقامات تک رسائی میں بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے جہاں عام حالات میں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس میں دوست ممالک سے رابطہ بلکہ ایسے ممالک کے سفارت کاروں اور سراغ رسانی کے اداروں سے رابطہ بھی شامل ہے جن سے دوستی نہ ہو۔ گفتگو کا طریقہ کار وہی ہے جو کہ دو ممالک کے درمیان گفتگو کرنے کا ہوتا ہے۔ اس سہولت کو تمام ممالک اپنے مصرف میں لاتے ہیں۔ ایسے امور جن پر مل کر کام کیا جا سکتا ہے اس سے کوئی بھی انکار کر سکتا ہے۔ مگر را (RAW) کے تعلقات اپنے ایجنٹوں کے ساتھ ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک میں کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ عام حالات میں ان کو ہمیشہ چھپائے رکھا جاتا ہے۔ عوام کو معلوم ہونے پر نکتہ چینی کا سلسلہ شروع ہو جائے تو مسلسل انکار سے اس کی پردہ پوشی ہو جاتی ہے۔ اور کافی رازداری سے کام لیا جاتا ہے۔

بعض اوقات کوئی سفیر بڑے مفید تعلقات فراہم کرتا ہے۔ ۱۹۷۱ کی پاک ہند جنگ کے دوران ایسے مواقع میسر ہوئے جب کہ ہندوستان کے مشن ہیڈ متعینہ پاکستان نے پاکستان انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر سے پوری جنگ کے دورانیے میں رابطہ قائم رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ دونوں ممالک کے درمیان اچھے تعلقات پیدا ہو جائیں اور بغیر جنگ کے کوئی پرامن حل تلاش کر لیا جائے اور عام پبلک کو وقت سے پہلے کچھ معلوم نہ ہو سکے۔

یہ را (RAW) ہی تھی جس نے ہتھیار ڈلوانے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے اور بالآخر نیازی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ اس رابطے سے ایسا معاہدہ طے پا گیا جس کے لیے کانفرنس میز پر بیٹھنا پڑتا اور عوام کے سامنے حکومت کے سربراہوں کے درمیان کشمکش سے محفوظ رہ گئے۔ اگر انٹیلی جینس کے ادارے کے ذریعے تعلقات قائم کیے جائیں تو اس قسم کے جھگڑوں کے فیصلے بحث مباحثوں کے ذریعے طے پا جاتے ہیں۔ اگر ناکامی ہو جائے تو کچھ بگڑتا بھی نہیں اور اگر ایسے ہی چین سے کٹ جائے تو مقابلے میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔

بعض اوقات ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے واقع ہونے والی پریشانیوں سے بھی محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ ایک ایسا حادثہ اُس وقت پیش آیا جب ائر انڈیا کا ایک جہاز "کشمیر کی شہزادی" (KASHMIR PRINCESS) میلا جاتے ہوئے ہانگ کانگ کے اُوپر اُڑ رہا تھا۔ جہاز میں چین کے وزیرِ اعظم مسٹر چو این لائی بنڈونگ کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ سُراغ رساں ایجنسیوں کو پہلے سے توقع تھی کہ جہاز کو تخریب کاری کا نشانہ بنائے جانے کے امکانات ہیں۔ چین کے وزیرِ اعظم ایک دوسرے جہاز میں محوِ پرواز تھے جب یہ حادثہ پیش آیا۔

تخریب کاروں کے متعلق چین کے لوگوں کے دلوں میں شکوک اُبھر آئے۔ ایک (IB) انٹیلی جینس بیورو کی ڈپٹی آفیسر یہ جاننے کے لیے کہ دھماکے کے ذمہ دار کون لوگ ہیں، ہانگ کانگ کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ برٹش انٹیلی جینس اور ہانگ کانگ کی مدد سے وہ آئی بی آفیسر مجرموں کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد وہ مہذب سفارتی نمائندے کی حیثیت سے فوراً بیجنگ پہنچا تاکہ چینی وزیرِ اعظم کو ذاتی طور پر صورتِ حال سے آگاہ کر سکے۔ تخریب کار جو کہ تائیوانی ایجنٹ تھا جس نے ایک چھپی بات سے چو کو تخریب کاری کی تربیت دی تھی وہ چونکہ ائر انڈیا کے دوالی جہاز میں اس وقت رکھا تھا جب کہ وہ ہانگ کانگ

کی کائی ٹیک ائر پورٹ پر کھڑا تھا۔ چو چو ایک کلینر کی حیثیت سے ملازم تھا جسے اس کام کے لیے رشوت دی گئی تھی۔ بعدازاں وہ مکاؤ کے لیے کشتی میں سفر کرنے کے لیے کشتی کے انتظار میں کھڑے ہوئے پکڑا گیا۔

آئی بی آفیسر کی چو این لائی سے ملاقات دو گھنٹے تک جاری رہی اور بالآخر وہ چو این لائی کو یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب چین اور ہندوستان کے تعلقات بڑے پُرتپاک تھے۔ چین کا قبضہ تبت پر ایک حقیقت بن چکا تھا اور ہندوستان کوریا میں چین اور امریکہ کے درمیان جنگ سے بچانے کی کوشش میں تھا۔ چو این لائی نے ہندوستان کے سفیر برائے پیکنگ مسٹر کے ایم پانیکر سے ایک ملاقات میں کہا کہ ہم نہرو کی امن پسند پالیسی پر شکرگزار ہیں اور کہا کہ اگر امریکہ نے ۳۸ درجے کی لائن کو عبور کیا تو چین کوریا میں مداخلت کرنے پر مجبور ہو گا۔ اب ایک ایسی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی جو بڑی آسانی سے بین الاقوامی طور پر آوازِ بازگشت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

اگرچہ وزارتِ خارجہ نے اس بات کو محسوس کیا کہ بیرونی انٹیلی جینس اداروں کے ساتھ مستحکم تعلقات بہت ضروری ہیں اور خارجہ دفاتر کے لوگ اس میں اپنے مخصوص مفاد دیکھتے تھے انہوں نے اس بات کو نظر انداز کیا۔ خود فریبی کی اس شکل نے ایم ای اے کو اس خوش فہمی کا شکار کیے ہوئے تھا کہ وہ اپنے طور پر حالات پر قابو پا سکتے ہیں۔ چین اور روس کے سوا شاید ہی کوئی بیرونی ملک کے سفارت کار نے انٹیلی جینس سٹاف کو بکھیرنے کے کام کی مخالفت کی ہو۔ اس مشکل کا خاص سبب نفسیاتی احساسات تھے مثلاً یہ سوچا گیا کہ سفارت خانے میں جو انٹیلی جینس سٹاف مقرر کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ معتوب رہتا ہے۔ بلاوجہ اُن کے مفاد کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے والی بات ہے۔ مفت شراب، کار، دکانداری اور اُن کو آزادی سے گھومنے پھرنے کی

اجازت ہوتی ہے مگر ان کو ایسی کوئی سہولت میسر نہیں ہوتی۔

ہندوستان میں صورتِ حال ذرا خراب ہے۔ تمام وجوہات سے قطع تعلق یہ بات تاریخ بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل خدمات (انٹیلی جینس بیورو خارجہ ادارہ) نے آئی پی ایس سے پولیس افسروں کو انڈین خارجہ ملازمت میں شامل کیا۔ کیونکہ پولیس کو ... سے زیادہ ترجیح حاصل ہے اور ... میں شمولیت کی خواہاں رہتی ہے اور انڈین پولیس سروس آسانی سے آئی ایف ایس میں اہلیت حاصل کر لیتی ہے جس کی وجہ سے ان کے مفادات مجروح نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں چند ایک دیگر وجوہات بھی ہیں جیسے کہ کچھ کے متعلق معلوم ہوا کہ بعض نے اپنی مخصوص ڈیوٹی کے علاوہ دوسرے دھندوں میں بھی شامل ہو گئے۔ مثلاً ماسکو میں چند ایک (F.O) امورِ خارجہ کے لوگ بلیک مارکیٹ میں دلچسپی لیتے ہوئے پائے گئے۔

خارجہ انٹیلی جینس کے لوگ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ شاید (IB) سے جن لوگوں کو خارجہ (IB) انٹیلی جینس میں شامل کیا گیا ہے ان پر نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ امورِ خارجہ کے افسروں کی کارکردگی کی جاسوسی کر سکیں۔ ایم ای اے (MEA) بھی ایسا ہی سوچنے لگی اور وہ ان کے کاموں میں اِسے مداخلت اور اپنے جائز حق پر حملہ تصور کرنے لگے اور سمجھنے لگے کہ یہ کام یعنی خارجہ سراغ رسانی، تو خاص کر ان کا تھا نہ کہ (IB) کا۔

اِس مداخلت کو بڑے غصے کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ لیکن جب را (RAW) وجود میں آئی اور ان کے لیے قانونی دخل تیار کیا گیا تو جاسوسی کے اِس بڑے ادارے کی تمام مشکلات حل ہو گئیں۔ آپس کے اعتراض اور شکوک و شبہات ختم ہو گئے کیونکہ را کے لیے الگ سفارتی کام اور مہر شدہ رپورٹیں الگ طریقے سے تیار کرنے کے عمل

نے رازداری کو مزید رازداری کا سایہ فراہم کیا۔ را اور (FO) ایف او اپنے علاقے کی تجزیہ شدہ رپورٹیں الگ الگ تیار کرتے۔ ایم ای اے سرخ فیتے کے چکر میں رہتی جس کی وجہ سے بعض اوقات را کی رپورٹیں ایم ای اے (MEA) کو سفارت خانوں کی نسبت پہلے نئی دہلی پہنچ جاتیں۔ اس وجہ سے دل جلانے کا ایک یہ موقع بھی سفارتکاروں کے لیے وجہ بنا۔ پہلے پہل را (RAW) تنظیم میں بہت سی خامیاں موجود تھیں۔ اس میں شامل پولیس افسران غیر آسودہ زندگی بسر کرنے کے بجائے خود کو سفارت کار کا درجہ دیتے تھے اور اپنے آپ کو سوسائٹی میں بڑا اونچا سمجھتے تھے۔ کھلے بندوں جہاں جی چاہے آتے جاتے جس سے ایک تکلیف دہ صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ بعض اوقات ایسی صورتِ حال بھی سامنے آئی جو ملک کی سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ پہلا شخص جو بھی اپنا سفارتی جاسوسی کا جال بچھاتا؛ اس پر مذاق کی بوچھاڑ ہوتی اور اس کو اس قسم کے کلمات سے نشانہ بنایا جاتا۔ "ہوشیار یہ ایک شیطان ہے؛" سیکنڈ کلاس سفارت کار جن کو خارجہ انٹیلی جینس آفیسر مقرر کیا جاتا وہ اس مضحکہ کا نشانہ ہوتا خاص کر بری حد تک اس وجہ سے کہ وہ اپنی نئی ڈیوٹی بحیثیت سفارتکار کے لیے خود کو اہل نہ پاتا۔

ایک مرتبہ جب را (RAW) نے ۱۹۶۹ء میں وزیرِ اعظم اندرا گاندھی کو ذاتی طور پر وزارتِ خارجہ کے سرخ فیتے میں ملوث ہونے کی رپورٹ دی تو اُن کا طریق کار فوراً بدل دیا۔ نتیجتاً را اپنی رپورٹ بلاواسطہ وزیرِ اعظم کو پیش کرنے لگے جب کہ (F.O) سفارت کار اپنی رپورٹیں وزیرِ خارجہ کی وساطت سے وزیرِ اعظم کو بھیجنے لگے۔ اس کے بعد را اور (F.O) کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ F.O افسران را کے اوپر یٹو (افسران) سے مدد لینے لگے جیسا کہ بنگلہ دیش اپریشن کے دوران ڈی پی دھر نے را (RAW) کے سربراہ کاؤ سے مانک شاہ کے ساتھ مل کر کام کیا۔

اور آپ کے ماننے والے پیروکاروں اور امتیوں نے سامری اور اس کے پیروکاروں کو مار بھگایا۔ چنانچہ یہ لوگ ہندوستان اور اس کے مشرقی علاقوں میں بھاگ گئے۔ اور کچھ نے پہاڑوں پر پناہ لی۔

تاریخ کا تجزیہ کرنے سے اختصاراً نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ یہود اور ہندو یہ دونوں بدبخت قومیں مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں جب وقت اور قوت حاصل ہو جائے تو برسرعام میدان جنگ میں اعلان جنگ کئے بغیر کود پڑتے ہیں۔ لیکن بصورت دیگر اگر قوت حاصل نہ ہو تو سرد جنگ مسلسل جاری رکھتے ہیں اور یہ سرد جنگ کیا ہے۔ دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ہندوؤں اور یہودیوں نے نہ صرف اعلانیہ طور پر جنگی معاہدے کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ خفیہ تحریکیں مشترکہ طور پر چلانے کے لئے بھی مشترکہ معاہدے کئے ہوئے ہیں۔ ظاہری طور پر اپنی عسکری قوت میں اضافہ کرنا اور اسے تباہ کن ہتھیاروں سے لیس کر کے کر کے دنیا میں اپنا سکہ جمانا۔ اور خفیہ طور پر خفیہ تحریکیں قائم کر کے انگریزوں اور مسلمانوں کے خفیہ راز چرانا اور ان کے ممالک میں تخریبی سرگرمیاں عروج پر لا کر تباہ کاری کو فروغ دینا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نہ صرف ذہنی طور پر تباہ کرنا بلکہ معاشی لحاظ سے بھی ان کی اقتصادیات کو تباہ کرنا ہے۔ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے اور ملک سے نکال باہر پھینکنا اور ان کی ریاستوں پر قبضہ کرنا یہ ان کے معاہدوں اور خفیہ تحریروں میں شامل ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے زار روس کا خاتمہ کر کے روس میں عیسائی حکومت کا خاتمہ کیا گیا۔ اور وہاں یہودی حکومت قائم کی گئی۔ حالاں کہ یہ ایک اقلیتی حکومت ہے۔ جو محض اپنے جور و ستم کی بنا پر قائم ہے۔ اسے عوام کی کبھی بھی حمایت حاصل نہیں ہوئی۔ اور نہ اب ہے۔ دوسری طرف انگریزوں کو اپنی اس سلطنت سے (حکومت برطانیہ

ہندوستان کی جاسوسی تنظیم

RAW

ترتیب و ترجمہ

موسیٰ خان جلالزی

افغانستان جہاد ریفرنس